UNIVERSAL LIBRARY
OU_224026
UNIVERSAL LIBRARY

رسالہ اردو جلد ۵ حصہ ۲

بابتہ اکتوبر ۱۹۲۵ء

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نواب عماد الملک مولوی سید حسین خاں صاحب بہادر بلگرامی	مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی	۵۳۱
۲	عرب کی شاعری	مولانا وحید الدین سلیم صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی	۵۴۷
۳	پیپل (نظم)	مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے	۵۹۵
۴	غالب کا فلسفہ	مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی	۵۹۹
۵	آئندہ کا خواب	مولانا وحید الدین سلیم صاحب	۶۳۹
۶	متروکات	پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی	۶۴۵
۷	تیتری (نظم)	حضرت ابوالمعانی اختر شیرانی صاحب	۶۹۵
۸	ادبی بات چیت (۱) فرانس	جناب شاہد سہروردی صاحب	۶۹۷
۹	تبصرے	اڈیٹر و دیگر حضرات	۷۱۵

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تنقید شعر العجم	مولانا حافظ محمود خان صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور	۱
۲	دیس کہانی	مولوی غلام طیب صاحب بی-اے-بی-ٹی اورنگ آباد کالج	۴۷
۳	مرہٹی ڈراما	مسٹر ٹی-بی کامت بی-اے-بی-ٹی مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی حیدرآباد	۵۷
۴	حسن مشتہر (نظم)	مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن	۹۱
۵	مطبع منشی نولکشور	جناب محمد یحییٰ صاحب تنہا بی-اے ال-ال بی غازی آباد	۹۳
۶	مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا (نظم)	جناب محمد عظمت اللہ خان صاحب بی-اے	۱۱۳
۷	ذوق کی غزل گوئی پر تبصرہ	.....	۱۱۸
۸	تبصرے	ادیٹر و دیگر حضرات	۱۵۷

عالیجناب ڈاکٹر نواب عمادالملک بہادر مدظلہ

سی-ایس-آئی، ال-ال-ڈی

نواب عمادالملک بہادر ہماری قوم کے اُن بزرگوں میں سے ہیں جن پر ہمیں بجا فخر ہے - باوجود خاندانی وجاہت اور ہر قسم کے وسائل کے انہوں نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سررشتۂ تعلیم ہی کو پسند کیا اور آخیر ملازمت تک اسی پر قائم رہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر ملک کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی - اگرچہ ابتدا اس کی لکھنؤ میں ہوئی لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ حیدرآباد بلا لئے گئے جہاں وہ چند سال بعد سررشتۂ تعلیم کے اعلیٰ افسر مقرر ہوے اور گو بیچ بیچ میں وہ اس سے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوے لیکن تعلیمی خدمت کو انہوں نے کبھی نہیں چھوڑا - آج جو تعلیم کا چرچا ہم حیدرآباد میں دیکھتے ہیں وہ انہیں کا طفیل ہے —

کتب خانۂ آصفیہ جس میں نادر اور بیش بہا قلمی کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ ہے آپ ہی کا قائم کیا ہوا ہے اور ان کتابوں کے بہم پہنچانے میں جو مشکلات پیش آئیں اس کے متحمل صرف نواب صاحب ہی ہو سکتے تھے - دائرۃالمعارف جس میں عربی زبان کی ایسی نادر اور کمیاب علمی کتابوں کی طبع و اشاعت کا انتظام کیا جاتا ہے جو اب تک نہیں چھپیں، وہ آپ ہی کی سعی و توجہ کا نتیجہ ہے - یہ دونوں اب تک آپ ہی کی زیر نگرانی ہیں - قدیم دارالعلوم کی ترقی بہت کچھ آپ ہی کی ذات سے ہوئی - حرفت و صنعت

کے مدارس اس ملک میں آپ ہی نے قائم کئے - اس کا آپ کو ہمیشہ خیال رہا اور اب تک ہے - غرض ریاست حیدرآباد کی جدید و قدیم تعلیم کی بانی آپ ہی کی ذات گرامی ہے - حال میں جب جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کا جلسۂ تقسیم اسناد ہوا تو امیر جامعہ نے ایل - ایل - ڈی کی ڈگری عطا کرتے وقت جو الفاظ آپ کی نسبت فرمائے تھے وہ نہایت صحیح اور موزوں تھے جنھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں —

"..... اس سلسلے میں سب سے پہلے جو نام میں لیتا ہوں وہ جامع علوم مشرقی و مغربی نواب عمادالملک بہادر کا اسم گرامی ہے جنھیں میں قلبی مسرت کے ساتھ جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے ایل - ایل - ڈی کی اعزازی سند دیتا ہوں - اس نامور فاضل اور دیرینہ سال ماہر تعلیم سے آپ کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے کہ اس بزرگ کے اوصاف اور کارناموں سے ملک کا ہر با خبر شخص آگاہ ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس ریاست میں تعلیم جدید کی ساخت و پرداخت بہت کچھ صاحب موصوف ہی کے ہاتھوں ہوئی جو تیس برس تک ناظم تعلیمات سرکار عالی کے فرائض ادا کرتے رہے - آج جب کہ ہم اپنے ملک میں جدید تعلیم کے فروغ و ارتقا کا مشاہدہ اس جلسۂ تقسیم اسناد میں کر رہے ہیں عین مناسب ہے کہ مذکورۂ بالا ڈگری کے پیرائے میں ہم نواب عمادالملک کی تراسویں سالگرہ منائیں" —

نواب صاحب ممدوح کے علم و فضل اور ذوق سلیم سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور جامعۂ عثمانیہ نے اپنے پہلے جلسۂ اسناد میں ایل - ایل - ڈی کی ڈگری عطا کر کے اپنا حق ادا کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن سے بڑھ کر اس کا کوئی مستحق نہ تھا - یہ گویا اعتراف ہے اُن تعلیمی اور علمی خدمات کا جو انھوں نے اس ملک میں انجام دی ہیں —

علم و فضل سے قطع نظر کر کے جو بات آپ میں سب سے قابل قدر ہے وہ آپ کی سیرت ہے - آپ کی طالب علمانہ اور بے لاگ زندگی، آپ کی صاف

گوئی اور راست گفتاری، آپ کی تہذیب اور نفاست ذوق یہ ایسے جوہر ہیں جو بہت کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ حیدرآباد ایک ایسا مقام ہے جہاں اچھوں اچھوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔ لیکن نواب عمادالملک کا دامن اُن تمام باتوں سے پاک رہا جن کے لئے حیدرآباد بدنام ہے۔۔۔

آپ ہمیشہ طالب علم رہے اور اب بھی طالب علم ہیں۔ اس وقت بھی جب کہ آپ علالت کی وجہ سے (جو ٹانگ کے سبب سے لاحق ہو گئی ہے) آپ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، آپ مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے تمام خطوں کا جواب دیتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں اب بھی ادب و مذہب کی گفتگو ہوتی رہتی ہے اور اُن لوگوں سے بڑی خوشی اور بے تکلفی سے ملتے ہیں جو علمی اور ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ کچھ زیادہ دولت مند نہیں ہیں تاہم طالب علموں کی دستگیری فرماتے رہتے ہیں۔ اورنگ آباد کالج جو آپ ہی کے اشارے اور تحریک سے قائم ہوا، وہاں کے نادار طلبہ کی امداد آپ ابتدا سے اب تک برابر کرتے ہیں۔ علمی اور ادبی کاموں میں مدد دینے سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔ انجمن ترقی اُردو پر اُن کی خاص عنایت ہے اور اس کے علمی کاموں میں جو قابل قدر امداد آپ نے فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔۔۔

آپ کے قویٰ بہت اچھے تھے۔ ہمیشہ صحت اور عافیت کے ساتھ بسر کی۔ اگر یہ پاؤں کا صدمہ نہ ہوتا جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف رہتی ہے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہیں، تو آپ کی صحت بہت اچھی رہتی اور اس قدر ضعف نہ ہونے پاتا جیسا اب نظر آتا ہے۔ تاہم اب بھی اُن کی صحبت مغتنمات میں سے ہے اور اس کی قدر وہی جانتے ہیں جن کو اس سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے۔ ان کے مزاج میں خاص نفاست ہے اور وہی نفاست اُن کے کھانے پینے، رہنے سہنے، بات چیت اور علم و ادب میں ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے اس پر ایسا اچھا اور پاکیزہ مضمون لکھا ہے (جو اس کے بعد

آپ کی نظر سے گزرے گا) کہ مجھے اس پر لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی---

ہم اُس فیض و فلاح کی شکر گزاری میں جو ملک کو آپ کی ذات سے پہنچی ہے اُردو کا یہ نمبر آپ کی تراسویں سالگرہ کی تقریب میں شایع کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ آپ دیر تک صحت و عافیت کے ساتھہ زندہ و سلامت رہیں---

عبدالحق

نواب عمادالملک مولوی سید حسین خان صاحب بہادر بلگرامی

از

(جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی)

اُنیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان ایک عجیب عالم کون و فساد بنا ہوا تھا۔اس لئے کہ پرانی ریاستوں کے ساتھہ پرانے مذاق کے صاحبان علم و فضل بھی فنا ہو رہے تھے اور نئی حکومت و تعلیم نے جدید کمالات علمی کے نمونے اور نئی شان کے علما و فضلا پیدا کرنا شروع کر دیے تھے۔ان دونوں متضاد زمانوں کو ربط دینے والی کڑی فقط وہی اہل علم ہو سکتے تھے جو دونوں قدیم و جدید مذاقوں سے آشنا ہوں—

اسی قسم کے ذی علم و اہل کمال میں سے اضلاع اودہ کا ایک بہت پرانا فاطمی النسل علمی خاندان تھا جو مشہور مرکز علماے عظام یعنی قصبہ بلگرام کو چھوڑ کر بنگالے پہونچا اور پھر اُس کے ہونہار فرزندوں کی طالبعلمانہ سرگرمی سے پرانا علمی کمال جدید علوم کے لباس میں نئے اقبال کی عالم افروز آب و تاب کے ساتھہ چمکنے لگا—

بلگرام اودہ کا بہت پرانا قصبہ ہے جس میں پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے اسلام کے شریف و وضیع اور صاحب علم و کمال عربی خاندان آکے آباد ہونا شروع ہو گئے اور اس سر زمین کو اپنا وطن مالوف بنا لیا۔انھیں

الوالعزم آنے والوں میں ایک فاطمی نژاد ذی علم بزرگ تھے جنھوں نے سنہ ۵۶۴ ھجری میں وارد بلگرام ہو کر وہاں کے ہندو راجہ کو شکست دی اور اُس کی قلمرو پر متصرف ہو کر اس علاقے کے حاکم بن گئے۔ یہ بزرگ چونکہ علوم معقول و منقول میں کمال رکھتے تھے لہذا اطراف و جوانب کے مسلمانوں کی پیشوائی اور مقتدائی کا عمامہ بھی اُنھیں کے سر پر تھا—

اس کے بعد یہ خاندان اپنی اُسی محدود حکومت پر قناعت کر کے علم و فضل میں ترقی و ناموری حاصل کرتا رہا اور تاریخ بتا رہی ہے کہ ہر دور میں اس کے ارکان بڑے متبحر عالم اور فاضلانہ وقار کے مصنف تھے جن کی علمی عظمت کے آگے بڑے بڑے اسلامی درباروں کے سر جھکے رہتے تھے اور غالباً اسی علمی فضیلت و مرجعیت نے اس خاندان کے نسب نامے کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ اودھ کے تمام قصبات کے شرفا اپنے پرانے نسب نامے پیش کر رہے ہیں مگر جس قدر مستند اور قابل وثوق نسب نامہ شرفا و فضلاے بلگرام کا ہے شاید اور کسی خاندان کا نہ ہو گا اور پھر سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ اس خاندان نے اپنی شرافت کے ساتھ اپنی آبائی و موروثی دولت علم کو بھی ہمیشہ محفوظ رکھا —

اسی خاندان کے ایک رکن رکین وہ بزرگ تھے جنھوں نے مذکورہ زمانہ کون و فساد یعنی انگریزی دور کے ابتدائی عہد میں زمانہ کی نبض پہچان کر دولت برطانیہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ اسی ملازمت کی کشش سے وطن کو خیر باد کہہ کر کلکتے پہونچے اور مغربی اقبالمندوں کے صحیفۂ اقبال کو مطالعہ کر کے اپنی قسمت انھیں سے وابستہ کر دی۔ اُن کا قیام اکثر کلکتہ میں رہا اور وہیں اُن کے فرزند پیدا ہوے—

ان کے دو فرزندوں نے جو مولوی سید حسین بلگرامی کے والد اور چچا تھے خاندانی علوم عربی و فارسی میں کافی دستگاہ حاصل کرنے کے بعد

"اورنٹل کالج آف لرننگ" میں تعلیم پانا شروع کی اور یہی پہلے عالی خاندان مسلمان شریف زادے تھے جنھوں نے باقاعدہ طور پر انگریزی اسکول میں تعلیم پائی—

ان دونوں بھائیوں میں سے ایک یعنی مولوی سید حسین صاحب کے چچا نے دولت برطانیہ کے ارکان سلطنت میں اعتماد حاصل کر کے بڑا عروج پایا اور بڑی ذمہ داری کی سیاسی و اعزازی خدمتوں پر مامور ہوتے رہے۔ مگر ان کے پدر بزرگوار نے اکزیکیو ٹیو محکمے میں ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۴۰ ع میں وہ ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوے اور ایک مدت دراز تک ان خدمات کو اضلاع بنگالہ و بہار میں بکمال نیکنامی و اعلیٰ قابلیت انجام دے کر سنہ ۱۸۷۵ ع میں وظیفہ یاب ہوے —

سنہ ۱۸۴۴ ع میں جب کہ وہ ضلع گیا میں ڈپٹی کلکٹر تھے مولوی سید حسین صاحب پیدا ہوے جن کی جوبلی کے موقع پر ان کے مختصر حالات کو قلمبند کر کے ہم معترت کمال پبلک کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے ہم ان کی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اُن کے اخلاق و عادات اور دیگر ذاتی و صفاتی خصوصیات سے بحث کریں گے—

مولوی سید حسین صاحب کا یہ بھی ایک نمایاں شرف ہے کہ جس خاک سے "بدھا" کا ایسا عدیم المثال دانائے روزگار پیدا ہوا تھا وہی خاک اُن کو بھی عالم وجود میں لائی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک خانگی مکتب میں خاندانی علوم عربی و فارسی کی تحصیل کی اور مشرقی علوم سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی زبان اور اُس کے علوم کی طرف متوجہ ہوے۔ چنانچہ پہلے بھاگل پور میں پھر پٹنے میں اور بعد ازاں کلکتے کے انگریزی مدارس میں تعلیم پاکر سنہ ۱۸۶۱ ع میں میٹری کیولیشن کی سند حاصل کی بعد ازاں سنہ ۱۸۶۶ ع میں فرسٹ گریڈ میں آنر کے ساتھ گریجویٹ ہوے —

اب بہ ظاہر تعلیم تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ پدر بزرگوار نے چاہا کہ اپنے ہی محکمے میں کسی معزز خدمت پر مقرر کرادیں مگر سید حسین ابھی تک اپنے تئیں طالب علم سمجھتے تھے۔ انھیں دنیا میں بہت کچھ سیکھنا تھا۔ اسلئے گوارا نہ ہوا کہ کوئی ایسی ملازمت اختیار کرلیں جو ان کو اپنا پابند بناکر علمی ترقی سے روک دے۔ چنانچہ محکمہ تعلیمات کو پسند کیا اور کیننگ کالج لکھنؤ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ یوں اودہ کی شریف نسل کے اِس ہونہار فرزند نے جوگیا میں پیدا ہوا تھا پھر خاک وطن پر قدم رکھا اور کالج کے طلبہ کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کے تمدنی اسکول میں معاشرتی آداب و اخلاق سے بہرہ اندوز ہونے لگا—

سنہ ۱۸۷۲ ع میں مدارالمہام دولت آصفیۂ نظام نواب سر سالار جنگ بہادر اعظم سیاحت کرتے ہوے وارد لکھنو ہوئے تو جنرل بارو نے اس عجیب و غریب مجموعۂ علوم مشرق و مغرب یعنی نوجوان پروفیسر سید حسین کو ان سے ملایا۔ اور ان کی ذاتی و علمی خوبیاں بیان کیں۔ نواب سالار جنگ بہادر کی مردم شناسی مشہور ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں پہچان گئے کہ یہ نوجوان کیا سے کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ مولوی سید حسین کے کمالات کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُنھیں دولت نظام کی ملازمت کا شوق دلایا اور فرمایا جب میں حیدرآباد میں پہونچ لوں تو آپ وہاں آکر مجھ سے ملیں—

مولوی سید حسین کی نظر میں علمی ترقی کے سوا اور کسی چیز کی وقعت نہ تھی اور ایسا مربی کمال بھی پھر ملنا دشوار تھا۔ زبانی وعدہ تو کرلیا مگر دکن کا سفر دور دراز اختیار کرنے میں دل پس و پیش کررہا تھا۔ یہاں تک کہ نواب سرسار جنگ بہادر نے حیدرآباد پہونچ کر خود ہی خط بھیج کر انھیں بتاکید بلایا۔ یہاں ذوق علم نے اس درجہ مستغنی بنارکھا تھا کہ اب بھی کئی مہینے لیت و لعل میں گزر گئے۔ آخر سنہ ۱۸۷۳ ع میں دکن کا سفر کرنا ہی

پڑا اور حیدرآباد پہونچے—

سر سالار جنگ بہادر نے صورت دیکھتے ھی اپنا پرسنل اسٹنٹ مقرر کرلیا۔ سنہ ۱۸۷۶ ع تک اسی خدمت پر مامور رھے تھے کہ سالار جنگ بہادر سفر یورپ سے واپس آئے اور آپ کو اپنا پرایوٹ سکرٹری اور معتمد صیغہ متفرقات بنادیا۔جس میں سررشتہ تعلیم اور متعدد چھوٹے چھوٹے محکمے شامل تھے—

بعد ازاں جب حضور پرنور نواب میر محبوب علی خاں بہادر اریکہ آرائے سلطنت ھوئے تو مولوی سید حسین کو خاص اپنا پرایوٹ سکرٹری مقرر فرماکر ''علی یار خاں موتمن جنگ بہادر'' کے خطاب سے ممتاز فرمایا اور چند سال بعد اُنھیں ''عمادالدولہ'' اور پھر '' عمادالملک '' کے خطاب عطا ھوئے۔ تھوڑے زمانے کے بعد آپ ناظم تعلیمات مقرر کئے گئے جس خدمت کو آپ نے مدت دراز تک انجام دیا اور اگر غور سے دیکھئے تو قلمرو نظام کی ساری تعلیمی ترقی اور حیدرآباد کے تمام تعلیم یافتہ لوگوں کی قابلیت اور دماغی روشن خیالی آپ ھی کی ھمیشہ بر قرار رھنے والی برکت اور بہترین یادگار ھے—

اس عرصہ میں سلطنت برطانیہ کے اعلیٰ احکام کو نواب عمادالملک بہادر کی سیاسی اور تعلیمی معاملات میں قابل قدر بصیرت سے بخوبی شناسائی ھوگئی تھی۔سنہ ۱۹۰۳ ع میں آپ کو مجلس وضع قوانیں کا رکن نامزد کیا گیا۔پھر چند سال کے بعد ''اصلاحات مارلے'' نافذ ھوئیں تو نواب عمادالملک پہلے ھندوستانی تھی جنھیں وزیر ھند کی مجلس کا رکن منتخب کیا گیا اور وہ سنہ ۱۹۰۷ ع سے سنہ ۱۹۰۹ ع تک اس معزز منصب پر سرفراز رھے۔اسی دوران میں آپ کو سی۔ایس۔آئی کا خطاب اور تمغہ عطا ھوا—

مجلس مذکور کی رکنیت سے بوجہ علالت دست بردار ھو کر نواب عمادالملک واپس تشریف لائے تو آپ کو نوجواں مدارالمہام نواب سالار جنگ ثالث کی مدد کے واسطے مشیرالمہام مقرر کیا گیا اورکوکچھہ عرصہ کے بعد اس

عہدے علیحدہ ہو کر پھر آپ نے کوئی سرکاری خدمت لینی قبول نہ فرمائی بایں ہمہ اعلیحضرت شہریار دکن آپ کی اب تک نہایت عزت و توقیر فرماتے ہیں کہ شاید حیدرآباد میں دوسروں کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔ زمانۂ مشیر المہامی میں آپ نے ملکی حرفت وصنعت اور اردو زبان کی ترقی کی تجویزیں نافذ فرمائیں —

یہ تو نواب عماد الملک بہادر کے حالات زندگی تھے اب یہ بتانا ہے کہ علمی استناد اعتبار اور دینوی عزت و وقار حاصل کرنے کے بعد اِن کا کیرکٹر کیا رہا اور ان کی کیا شان نمودار ہوئی - جن لوگوں نے ان کے صفحۂ زندگی پر غائر نظر ڈالی ہے وہ بالاتفاق مقر ہیں کہ اس سے زیادہ مہذب و شائستہ ہستی موجودہ ہندوستان میں نہیں نظر آسکتی —

باوجود اعلیٰ دولتمندی اور عالمانہ فضل وکمال کے آپ نہایت ہی سادی طبیعت رکھتے ہیں - حد سے زیادہ منکسر المزاج واقع ہوے ہیں، اسوقت تک طالب علم ہیں - اور ہمیشہ رہیں گے - حیدرآباد کے سیاسی میدان میں بہت سے نامور لوگ آئے چلے گئے اور سب اپنے اپنے مقام پر اپنے خصوصیات دکھا کے اور انقلابات کے نمونہ بن کے رخصت ہوگئے مگر عماد الملک بہادر جو آج سے پچاس سال پیشتر تھے وہی آج ہیں اور جو سچی شائستگی اور فاضلانہ بے پروائی و یکرنگی آپ میں ہے کسی میں نہیں دیکھی گئی —

مشرقی اور مغربی دونو علموں ادبوں میں اعلیٰ کمال رکھنے کے باعث آپ اپنے جد امجد اور بزرگوار کی طرح آج بھی وہ کڑی ہیں جسنے یورپ و ایشیا کی خوبیوں کو باہم ملایا اور ہندوستان کے اگلے اور پچھلے غیر مربوط دوروں کو جوڑ کے ایک کر دیا —

عربی و فارسی علم و فضل میں اعلیٰ درجہ رکھنے کی وجہ سے آپ علما و فضلا اور صاحب علم اتقیاے زمانہ کے ایسے قدردان ہیں کہ اس زمانے میں اور

کوئی نہیں - پھر اس کے ساتھ انگریزی ادب اور جدید معلومات میں کامل بصیرت رکھنے کے باعث دانایان یورپ اور اس نئی روشنی کے ماہروں میں بھی ایسی مقبولیت رکھتے ہیں کہ علمائے زمیں انھیں آنکھوں پر بٹھاتے اور اُن کی دو گھڑی کی صحبت کو اپنی زندگی کا یادگار حصہ تصور کرتے ہیں—

مجھے ایک مدت تک بالذات اُن کی روزانہ صحبتوں میں شریک ہونے کی عزت حاصل رہی ہے اور ان کے طالبعلمانہ مشاغل میں شریک ہو کر میں نے ان کے علم وفضل سے فائدہ اُٹھایا ہے - اسی سلسلے میں مجھے اُن کی واقفیت عامہ، اُن کے مذاق، اور اُن کے اسلوب زندگی کے اندازہ کرنے کا بخوبی موقعہ ملا - شعرائے کے کلام کا مطالعہ کرنے میں چند روز میں اُن کے ساتھ شریک رہا - اور نظر آیا کہ جیسی محققانہ و مبصرانہ نظر کلام عرب پر اُن کی پڑتی ہے بہت کم کسی کی پڑتی ہے - سچ یہ ہے کہ میں نے اُنھیں ادب عربی میں یکتائے روزگار پایا - جاہلیت عرب کے سادے اور خالص عربی مذاق سخن کے دلدادہ ہیں - شعرائے جاہلیت کے اشعار پر سر دھنتے ہیں اور مولدین کے کلام کو بالکل نہیں پسند کرتے—

یہی حال انگریزی ادب و انشا میں ہے - جیسی خوبصورت، سادی اور سہل ممتنع انگریزی عبارت وہ لکھتے ہیں اہل زبان ادیبوں میں سے بھی شاذ و نادر ہی کوئی لکھ سکتا ہے - اس سادے ادبی مذاق انگریزی نے انھیں انگریزی کا ایک سحر آفریں شاعر بنا دیا - ان کی انگریزی نظمیں شایع ہو چکی ہیں جو انگلستان کے سخن فہموں میں مزے لے لے کر پڑھی گئیں - ان میں بھی وہی سادگی بے تکلفی اور جدت طرازی نمایاں ہے جو ان کی سرشت میں داخل ہے |

آپ کو انگریزی زبان پر جو قدرت حاصل ہے اس کا اندازہ آپ کے ترجمہ قرآن سے ہو سکتا ہے - بہت دن ہوئے آپ نے کوشش شروع کی تھی کہ قران مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں کریں - جس کے لئے آپ نے بہت بڑا اہتمام کیا تھا اور تفسیروں کا بڑا بھاری ذخیرہ جمع کر لیا تھا - تقریباً سولہ پاروں کا ترجمہ کر کے پروف کی حیثیت سے چھپوا لیا تھا کہ ضعف بصارت و علالت کی وجہ سے وہ مقدس کام پڑا

رہ گیا-میں نے وہ ترجمہ پڑھا ہے-بالکل انگریزی بائیبل کی زبان اختیار کی ہے-یورپ والوں کو توراۃ و انجیل میں خدا کے کلام کی جو شان نظر آتی ہے وہی شان نواب عماد الملک بہادر نے اپنی قادر الکلامی سے ایسی خوبی کے ساتھ قرآن کے ترجمہ میں دکھادی ہے کہ پڑھنے والے کو متحیر ہوکر ان کے اعلیٰ ترین کمال انگریزی دانی کا معترف ہوجانا پڑتا ہے—

انگریزی کے علاوہ نواب عماد الملک بہادر فرانسیسی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ہیں-اگرچہ ان کی کوئی فرانسیسی تحریر شایع نہیں ہوئی-مگر جس زمانے میں مجھے ان کے طالبعلمانہ مشاغل میں شرکت کا فخر حاصل تھا انھوں نے میرے شوق دلانے سے دوزی کی ہسٹری آف اسلام کا ترجمہ فرانسیسی سے اردو میں اس طرح شروع کیا تھا کہ وہ بتاتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا-میں نے دیکھا کہ وہ بغیر کسی لغت کی مدد کے نہایت ہی صفائی سے بے تکلف فصیح اردو ترجمہ بتاتے چلے جاتے ہیں-اُن کی وجہ سے مجھے کبھی نہیں رکنا پڑتا بلکہ میری وجہ سے وہ بار بار رکتے ہیں-اور یہ ایسی بات ہے جو بغیر کسی زبان میں اعلیٰ مہارت و قدرت ہونے کے غیر ممکن ہے—

بنگالے میں نشو و نما ہونے کے باعث بنگالی زبان بھی بے تکلف بولتے ہیں اور بعض اوقات میں نے دیکھا کہ بنگالی ملنے والوں کو اُن کے بنگالی زبان میں گفتگو کرنے پر حیرت ہوگئی—

اردو میں بھی اُن کا مذاق سخن بہت ہی سادہ ہے-سادی عام فہم زبان کو پسند کرتے ہیں اور عربی و انگریزی الفاظ استعمال کرنے کے سخت خلاف ہیں-شعرائے اردو میں سے دھلی والوں کے مذاق کو فوقیت دیتے بلکہ اسی کو اصلی مذاق شاعری جانتے ہیں-کلام میں عربی دقیق الفاظ اور شعرائے فارسی کے دقیق خیالات سے جو رفعت و شوکت پیدا کی جاتی ہے اس کو بالکل نہیں پسند کرتے-چنانچہ ناسخ کی شاعری کو نہیں تسلیم کرتے اور کئی بار مجھ سے فرمایا

کہ "اُس کو شاعر کس نے کہا ہے؟"—

لکھنؤ کے سادگی پسند شعراء بھی جو اکثر اوقات معشوق کے زیور و لباس اور چوٹی کنگھی کی تعریف کرجاتے ہیں اس کو ناگوار ابتذال تصور کرتے اور سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ لکھنؤ کی عام شاعری کو ناپسند کرتے ہیں—

ان ہی مغربی و مشرقی کمالات کے اجتماع نے اُن میں یہ مذاق پیدا کردیا ہے کہ کسی عالم یا طالب علم کی صحبت میں چاہے وہ کیسا ہی بے پایہ اور کم حیثیت ہو بڑا لطف آتا ہے اور جاہل دولت مند سے چاہے کیسا ہی باوقعت اور مشین ہو اُنھیں سخت نفرت ہے-غریب صاحب علم کی باتوں میں اپنے ضروری کاموں کو بھول جاتے ہیں اور نمایشی بڑے بڑے باتیں بنانے والے دولت مندوں کی فضول گوئی سے بھاگتے ہیں-میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک غریب ذی علم شخص سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور اس اثنا میں کوئی عالی مرتبہ امیر آکے بیٹھ گیا تو اُنھیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کون آیا ہے اور کیوں آیا ہے—

اس کے ساتھ غالباً اودھ کے قصباتی خاندانی رئیس ہونے کی ایک یہ جھلک بھی اُن کے اخلاق میں موجود ہے کہ شریف النسل لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور فرومایہ رزیلوں کی صحبت سے جہاں تک بنتا ہے احتراز کرتے ہیں-ایک آدھ دفعہ میں نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک فرومایہ دولت مند بے تکلف آکر اُن کے ڈرائنگ روم میں برابر بیٹھ گیا-ان کی نظر پڑی تو چہرہ سرخ ہوگیا-اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دیا-اُن کا یہی اخلاق اور برتاؤ میں نے بعض ایسے لوگوں کے ساتھ بھی دیکھا جن کی بد اخلاقی طشت از بام ہو رہی تھی—

طالبعلمانہ ہم صحبتی کے زمانے میں مجھے اُن کی اصلی معاشرت کے دیکھنے

کا بھی موقع ملا اور میں نے اُن کی اور اُن قدیم علما کی وضع و حالت میں سرمو فرق نہ پایا جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیاوی تکلفات سے بھائتے اور کمال سادگی کے ساتھہ جویاے علم رہتے ہیں۔عہدے یا درباری تعلقات کے باعث نواب عمادالملک بہادر کی ظاہری صورت تو یہ ہے کہ نہایت شاندار کوٹھی میں رہتے ہیں۔اچھا پہنتے اور اچھا کھاتے ہیں۔مکان اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ ہے۔عمدہ پیچواں سامنے لگا ہے اور لکھنؤ کے بہترین خمیرے کے معطر دھوئیں سے سارا کمرہ مہک رہا ہے۔لیکن جب مخلا بالطبع ہوتے ہیں تو یہ شان نظر آتی ہے کہ زمین پر ایک بوریا یا دری بچھی ہے چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہے۔جس میں عربی فارسی انگریزی فرانسیسی سب طرح کی کتابیں ملی ہوئی ہیں اور اس عالمانہ طومار علوم کے درمیان سادے کپڑے پہنے کمال بے تکلفی سے بیٹھے کسی مسئلے کی تحقیق یا کسی تاریخی واقعے کی گفتگو کر رہے ہیں۔مجھہ سے کئی بار فرمایا کہ "مجھے اس زندگی میں جو لطف آتا ہے وہ تکلف کی درباری زندگی میں کبھی نہیں آیا"—

اسی وضع و مذاق نے ان کو حد سے زیادہ مستغنی اور بے پروا بنا دیا ہے۔حضور نواب میر محبوب علی خان بہادر کے عہد حکومت میں جب نواب فتح نواز جنگ بہادر کا مقدمہ چل رہا تھا۔سرور جنگ بہادر کا زور تھا اور کوشش ہو رہی تھی کہ عمادالملک بہادر بھی فتنہ جو جماعت میں سمیت لئے جائیں اور ان پر حملے ہو رہے تھے۔مگر اُن کی وضع و حالت میں ادنیٰ تغیر بھی نہیں ہوا۔اُسی زمانے میں حضور مغفور چاہتے تھے کہ عمادالملک حاضر ہو کر اپنی پرائیویٹ سکرٹری کی خدمت انجام دیں۔مگر چونکہ ایوان خسروی سازشوں سے بھرا تھا اور وہاں کسی کے اوقات باقاعدہ اور منتظم نہیں رہ سکتے تھے وہ کسی طرح نہ جاتے تھے۔ان کے بہت سے احباب نے سمجھایا۔میں نے بھی کئی بار عرض کیا مگر اُنہوں نے اپنے علمی مشاغل کو

نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا اور نہ جانا تھا نہ گئے اور اُس پرفتن زمانے میں اپنی اُسی وضع سے نباہ دی اور یہ بات بجز اُن کے اور کسی سے نہ ہو سکتی تھی—

اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ کذب و دروغ سے سخت متنفر ہیں۔نہ کبھی ایک لفظ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ جھوٹے کو منہ لگانے کے قابل تصور کرتے ہیں۔اسی طرح کیادی و مکاری کی کارروائیوں اور دغل فصل کی باتوں سے بھاگتے ہیں۔ان کی عہدہ داری اور درباداری کی طولانی زندگی میں حیدرآباد کے اندر بیسیوں پارٹیاں قائم ہوئیں۔بڑی بڑی سازشیں ہوئیں۔جن میں بڑے بڑے عہدہداران ریاست شریک تھے مگر عمادالملک کا دامن اُن نجاستوں سے ہمیشہ پاک رہا۔لوگوں نے ہزار چاہا کہ اُنھیں اپنے گروہ میں لیں مگر اُنھوں نے اس کو کبھی گوارا نہ کیا۔حیدرآباد میں اعلیٰ خدمت پر ممتاز رہنے کے ساتھ اُن کا ایسا بے داغ رہنا حیرت کے قابل ہے اور یہ اُنھیں کے ساتھ خاص ہے کہ کبھی کسی سیاسی یا سازشی پارٹی میں نہیں شریک ہوتے اور ان کی اس استقامت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو اُن کی نسبت بعض لوگوں کا یہ خیال قائم ہو گیا کہ استیٹمین ہونے کے قابل اور ڈپلومیسی کے اہل نہیں ہیں اور دوسری طرف ہر شخص کو اعتراف کرنا پڑا کہ اُن کے پائے کا سچا اور راست باز کوئی نہیں ہے اور مخالف پارٹیوں اور بڑوں ہمسروں سب طرح کے لوگوں میں بالاتفاق وہ بے عیب اور واجب‌الاحترام تسلیم کر لئے گئے—

سر وقارالامرا بہادر مرحوم کی مدارالمہامی کے آغاز میں عماد نواز جنگ حسن بن عبداللہ نے جو اپنے آپ کو ایک بہت بڑا استیٹمین جانتے تھے مجھ سے کہا کہ نواب مدارالمہام کی خواہش ہے کہ فتح نواز جنگ اور اُن کی بیوی کے شرمناک واقعات کا ایک ناول آپ لکھ دیں۔مجھے اس میں

تامل تھا بہانہ کیا کہ میرے پاس ایسے ناول کے لئے مواد واقعات نہیں موجود ہے اور نہ اُن کے حالات سے آگاہ ہوں۔حسن صاحب نے کہا "اس کے تمام واقعات آپ کو نواب عمادالملک بہادر سے ملیں گے" اُن کا نام سن کر مجھے حیرت ہوئی اور اُن سے وعدہ کر لیا کہ اگر اُنھوں نے مدد دی تو میں یہ ناول لکھہ دوں گا۔دوسرے دن میں نے نواب عمادالملک بہادر سے اس کا تذکرہ کیا تو اُن کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی اور کمال برھمی سے فرمانے لگے "میں ایسی بیہودہ باتوں میں نہیں پڑتا" چنانچہ حسن صاحب کو پھر نہ کچھہ کہنے کی جرأت ہوئی اور نہ وہ شرمناک ناول لکھا گیا—

غرض میں نے اپنے تجربہ سے ان کو ہر موقع پر راست باز اور نہایت ہی شریف النفس پایا اور اس اصول پر وہ ایسی استقامت کے ساتھہ قائم ہیں کہ دولت۔حکومت۔عزت اور کسی چیز کا لالچ یا شوق ان کے قدم کو لغزش نہیں دے سکتا۔کذب و دروغ میں نہیں وہ ہر قسم کی بد اخلاقیوں اور بد وصفیوں سے سخت متنفر ہیں اور جن لوگوں میں ایسی خرابیاں سنیں اپنی صحبت کو ان سے بچایا—

غور سے دیکھئے تو اُن کی زندگی اعلیٰ درجے کے حکیموں اور فلسفیوں کی ہے۔ہر نیک نفس اور خوش اطوار شخص چاہے کتنا ہی غیر ہو اُن کا عزیز قریب اور دوست ہے اور ہر بد کار و بد نفس آدمی چاہے اُن کا کتنا ہی قریب کا عزیز ہو غیر ہے۔یہ وہ اُصول ہے جس کو اگر ان کی زندگی کا ماٹو کہا جاے تو غلط نہیں ہو سکتا—

اپنے چھوٹے بھائی مولوی سید علی مرحوم کو اُنھوں نے بیٹوں کی طرح پالا۔سکھایا پڑھایا اور علم و فضل میں سرآمد روزگار بنا دیا مگر چونکہ اُنھوں نے بعض سیاسی پارٹیوں میں شریک ہوکر سازش اور انٹریگ کو گوارا کر لیا تھا لہذا اُن سے ملنا چھوڑ دیا۔اور اُن کی نظر میں وہ غیروں سے

بھی بدتر تھے- میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک بار مولوی سیدعلی مرحوم سخت بیمار ہوے مگر نواب عماد الملک بہادر باوجود یکہ میں نے اور اُن کے کئی احباب نے بار بار اصرار کیا ان کی عیادت کو نہ جانا تھا نہ گئے—

مذہباً نواب عماد الملک بہادر ایک آزاد خیال مسلمان ہیں- دینی احکام و عقائد کو تقلیداً نہیں بلکہ فلسفیانہ توجیہ و استدلال کے ساتھہ مانتے ہیں- اور گو کہ عبادات میں پابند دین نہیں نظر آتے مگر اعتقاداً اسلام کو سچا اور برگزیدہ دین مانتے ہیں- اُنہیں سب سے زیادہ وثوق مسئلہ وحدت وجود پرھے میں نے ایک بار اُن سے اس مسئلے میں بحث کی تو فرمایا "اور کسی حیثیت سے میں خدا کو مان ہی نہیں سکتا"—

مگر یہ اعتقادات و خیالات فقط اُن کے دل ودماغ تک محدود ہیں- اس کو بالکل پسند نہیں کرتے کہ مختلف فیہ مسائل میں کسی سے بحث کریں یا اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کسی سے نفرت یا مخالفت کریں- ان کے اعتقادی مسائل کا کوئی اثر باہمی تعلقات پر نہیں پڑتا- اُن کی بے توجہی کی یہ شان ہے کہ اگرچہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں مگر انگریزوں اور مسیحوں کی بہت سی اخلاقی باتوں کو پسند کرتے ہیں- بلکہ اُن کو اخلاقاً سب سے زیادہ شائستہ مانتے ہیں- ہندوں پر نہایت مہربان ہیں- اور اُن کے قدیم روحانی فلسفہ کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں—

اگرچہ شیعہ ہیں مگر سنی علما اور حنفی فضلا کا ویسا ہی ادب و احترام کرتے ہیں جیسا شیعہ مجتہدین کا- مولوی شبلی نعمانی مرحوم مجھہ سے کہتے تھے کہ "میں نے الفاروق کو شایع کیا تو اس کا ایک نسخہ نواب عماد الملک بہادر کی خدمت میں بھیجا اور خواہش کی کہ اس کی نسبت آپ اپنے خیالات ظاہر فرمائیں- اس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ گزشتہ تیرہ سو برس میں صرف ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام عمر بن الخطاب ہے لہذا اُن کی لائف

لکھنا اسلام کی خدمت تھی جس کو آپ نے ادا کیا ،، مگر خود مجھ سے اُن سے جب گفتگو ہوتی تو میں نے اُن کا یہ خیال پایا کہ حضرت عمر میں سختی اور درشتی زیادہ تھی - اور اگرچہ میں نے اُن کو وہ درشتی خلیفہ ہونے کے بعد نرمی سے بدل گئی تھی مگر اس کو انھوں نے نہیں مانا —

حیدرآباد کے مدرسہ دارالعلوم کی اعلیٰ مدرسی و مہتممی کی جگہ خالی ہوئی تو اُس پر نواب عمادالملک نے مولوی محمد الٰہی بخش صاحب کو مقرر کیا معین المہام تعلیمات نواب فخرالملک بہادر نے اس سے اختلاف کر کے ایک شیعہ عالم کو اس جگہ کے لیے نامزد کیا - اور مدارالمہام بہادر نے بھی اس سے اتفاق کرلیا - جب یہ حکم تعمیل کے لیے عمادالملک بہادر کے پاس آیا تو اُنھوں نے اس سے سختی کے ساتھہ اختلاف کیا - اور کہا کہ یہ مدرسہ مدت سے خاص اہل سنت کے زیر انتظام و تعلیم چلا آتا ہے جس میں اہل سنت کے دینیات کی تعلیم ہوتی ہے لہذا اس خدمت پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہوسکتا - نواب فخرالملک بہادر نے پھر اپنی رائے پر اصرار کیا اور تحریر فرمایا کہ اس بے تعصبی کے عہد میں ایسی تفریق نہ ہونی چاہئے - مگر نواب مدارالمہام پر وقارالامرا بہادر نے اپنی پہلی رائے بدل کے عمادالملک بہادر کی رائے سے اتفاق کرلیا - اور مولوی الٰہی بخش صاحب مقرر ہو گئے —

یہی بے تعصبی اُن سے ہمیشہ ظاہر ہوتی رہی - اور سب جانتے ہیں کہ محکمہ تعلیمات دولت آصفیہ ایک مدت دراز تک اُن کے ہاتھہ میں رہا - لیکن کبھی کسی شخص کو محسوس بھی نہ ہوسکا کہ ناظم تعلیمات ایک شیعہ شخص ہے - اُنھوں نے ہمیشہ غیر جانب داری سے کام لیا - اور وطنی و غیر وطنی سنیوں کو ویسا ہی خوش اور مطمئن رکھا جیسا کہ شیعوں کو —

الغرض نواب عمادالملک بہادر کی ذات غیر معمولی صفات سے آراستہ اور خدا کی ایک بےنظیر نعمت و برکت ہے اور وہ رعایائے نظام و ہندوستان کے عام

لوگوں کے ہر گروہ اور ہر طبقے میں ہر دلعزیز اور واجب الاحترام ہیں—

لہذا مسلمان بلکہ تمام اہل ہند اگر اُن کی درازی عمر پر خوشیاں منائیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیں تو نہایت ہی مناسب بالکہ اپنے ایک ضروری فرض کا بجالانا ہے—

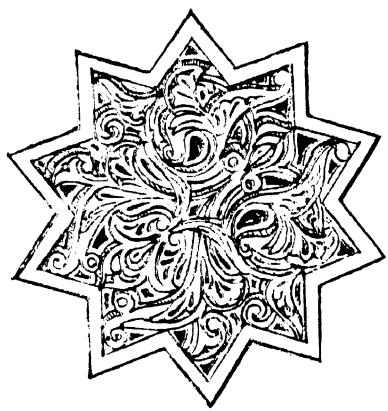

عرب کی شاعری

از

(جناب مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

تمہـــــــید

ایک مشہور مقولہ ھے کہ "الشعر دیوان العرب" یعنی عرب کی شاعری عرب کا دفتر ھے۔ دفتر کے لفظ سے یہ مراد ھے کہ اُس میں عرب کا جغرافیہ۔ عرب کی تاریخ۔ عرب کا تمدن۔ عرب کا طریقۂ معاشرت۔ عرب کے خیالات و توھمات۔ عرب کی ملکی اور قومی خصوصیات سب کچھہ ھے۔ اگر کوئی شخص عرب کی شاعری کا مطالعہ کرے تو کوئی بات عرب اور اھل عرب کے متعلق ایسی نہیں ھے جو اس میں نہ مل سکے۔ میں عرب کی شاعری کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاھتا ھوں۔ اس کے ساتھہ ھی یہ بتا دینا چاھتا ھوں کہ اداے خیالات کے کیا طریقے عربی شاعری میں تھے—

میں نے اس غرض کے لئے ایام جاھلیت کی شاعری پر نظر ڈالی ھے۔ ظہور اسلام کے بعد اوایل بنی اُمیہ کی شاعری کو بھی شامل کر لیا ھے۔ ایام جاھلیت کی شاعری کا خالص عربی رنگ ھے اور وہ فی الواقع عرب کے تمام حالات و خیالات کا آئینہ ھے۔ اوایل عہد بنی اُمیہ تک بھی کچھہ اصلی خصایص عربی شاعری کے باقی رھے۔ مگر دولت عباسیہ کے زمانے میں اُس پر عجمیت غالب آگئی اور شاعری کا خالص عربی رنگ نہیں رھا۔ اگرچہ اس زمانے کی شاعری اُس زمانے کے عربوں کے انقلاب حالت کی تصویر ھے۔ مگر میں نے اُس کو اپنے موضوع

سے خارج کر دیا ھے-میں یہ سب کچھہ اپنی محبوب زبان اُردو میں لکھنا چاھتا ھوں-اصل عربی اشعار اس مضمون میں نہیں لکھوں گا-اس کی دو وجہیں ھیں—

ایک تو یہ کہ بیچ بیچ میں غیر زبان کے اقتباسات لانے سے مضمون کی روانی میں فرق آ جاتا ھے اور پڑھنے والے اس کو دلچسپی کے ساتھہ نہیں پڑھتے—

دوسرے یہ کہ اھل یورپ کی طرح میری دلی خواھش یہ ھے کہ غیر زبانوں کے ادبیات کے متعلق جو کچھہ لکھا جاے وہ اپنی ھی مادری زبان میں ھو-تاکہ ھمارا ادب وسیع ھو اور ترقی حاصل کرے-اگر غیر زبانوں کے حاصل کرنے والے اُن کے تمام ادبی ذخیروں کو ھماری زبان کے ادب میں بھر دیں تو گھر بیٹھے ھم دنیا کے اعلیٰ اور لطیف خیالات پر عبور حاصل کر سکیں گے-دنیا کی ھر قدیم و جدید زبان کے اعلیٰ شاعروں اور ادیبوں کے شہپارے اُردو زبان میں بھر دینے چاھئیں-تاکہ زمانۂ حال کے انشا پردازوں اور شاعروں کو مدد ملے اور ایک محدود دایرہ سے نکل کر آگے بڑھنے کے رستے اُن کو نظر آنے لگیں-اگر ایسا نہ کیا جاے تو نہ ھمارا ادب کبھی ترقی کرے گا اور نہ اُس میں وسعت اور گہرائی پیدا ھو گی—

ایک اور بات بھی ھے جس کی وجہ سے ایسے مضامین تحریر کرنے کی ضرورت پیش آئی ھے-اگر ھمارے نوجوان انشا پرداز اور شاعر جو غیر زبانوں کے ادب سے نا بلد ھیں یہ معلوم کریں گے کہ ھر ملک کا ادب اُس ملک کی قومی اور ملکی خصوصیات کا آئینہ ھے-پھر اپنی شاعری اور انشا پردازی پر نظر ڈالیں گے تو اُن کو صاف دکھائی دے گا کہ اِس میں اِس ملک کی خصوصیات کا کوئی پتہ نہیں ھے-ھماری ساری شاعری اور ساری انشا پردازی بیرونی ادب کی نقالی ھے اور اس میں ھر چیز باھر سے لائی گئی ھے-کیا یہ

شرم و عبرت کا مقام نہیں ہے؟ کیا اس نقص کے معلوم ہونے کے بعد ہم کو اپنے ادب کی اس کھلی کمزوری کی تلافی نہیں کرنی چاہئے؟ کیا زمانۂ سابق کی طرح آئندہ بھی ہم کو صرف بیرونی ادب کی نقالی پر قناعت کرنا لازم ہے؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی زبان کے ادب میں انقلاب پیدا کریں اور اُس کو ایک ملکی ادب بنانے کی کوشش میں سرگرم نہ ہوں؟ اگر یہ ضرورت مسلم ہے تو پھر ایسے مضامین ہی اہل فکر و بصیرت کے لئے تحریک و ترغیب کا باعث ہوں گے—

شاعری کے موضوع

عرب کی شاعری کے اہم موضوع حسب ذیل ہیں:—

۱- بہادری کے جذبات

۲- اخلاقی جذبات

۳- عاشقانہ جذبات

۴- مدح و ذم

۵- غم کے جذبات

اِن میں سے ہر موضوع پر جو کچھ عرب شعرا نے کہا ہے وہ اُن کے دلی خیالات اور اصلی حالات کا آئینہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی کر دکھاتے ہیں۔ اُن کی شاعری اصلی اور حقیقی شاعری ہے۔ اپنے عیب و صواب سب کھول کر رکھ دئے ہیں۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھی۔ اُن کی زبان اُن کی دلی واردات کی ترجمان ہے۔ اُن کی شیخیاں جھوٹی شیخیاں نہیں ہیں۔ اُن کے کارنامے اُن کی نیتوں کے گواہ ہیں۔ وہ اگر کسی کی مدح کرتے ہیں تو صرف اُس کی جس کے قول اور فعل میں مطابقت ہے اور جس کی ذات میں فی الواقع وہ خوبیاں موجود ہیں جن کا ذکر مدح میں کیا گیا ہے۔ اگر کسی کے مرنے پر آنسو بہاتے اور اُس کے اوصاف بیان کرتے ہیں تو وہ درحقیقت

ایسا ھی شخص ھوتا ھے جس کا وجود خیر و برکت کا باعث تھا۔جھوٹی مدح وہ کبھی نہیں کرتے۔جھوٹے آنسو وہ کبھی نہیں بہاتے۔اُن کی زبان اور اُن کے دل دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ھیں —

یہاں مثال کے طور پر چند نمونے عربی شاعری کے پیش کئے جاتے ھیں جن سے ناظرین کو اندازہ ھو گا کہ اُن میں کس قدر سچائی اور اصلیت کی جھلک ھے اور اھل عرب کی بیرونی اور اندرونی کیفیات کا صحیح نقشہ اُن میں کس طرح کھینچ کر رکھا گیا ھے —

فخریہ اشعار

اے ھیضم کے دونوں بیٹو! کیا تم نے عزم و ھمت کے وقت میری تدبیر کو سست پایا؟ میں نے دنیا کے بہت سے واقعات کا امتحان کیا ھے اور واقعات نے میرا امتحان کیا ھے۔گویا کہ میں گزری ھوئی قوموں کا آدمی ھوں۔ھم ایسی ماں کے بیٹے نہیں ھیں جس کی چھاتیاں چھوٹی ھوں اور اُن کا دودھ منقطع ھو گیا ھو اور وہ صرف ایک ھی دفعہ جنی ھو۔ھم ایسی صاحب نصیب عورت کی اولاد ھیں جس نے حوض ولادت سے مکرر پانی پیا ھے اور جس نے مکرر اولاد پیدا کی ھے۔زمین کا انشقاق ھوا اور ھم اُس میں سے نکل پڑے۔اب ھم زمین کے سخت حصے اور ریگستانی حصے کے فرزند ھیں۔ھمارے قبضے میں اجاء اور سلمی کے پہاڑی قلعے ھیں اور دونوں قلعوں کی مشرقی زمین بھی ھمارے پاس ھے۔قلعۂ تیماء کے مالک بھی ھمیں ھیں۔جو قوم عاد کے زمانے سے ھمارے قبضے میں ھے اور ھم نے اپنے برچھوں کے زور سے اُس کو بچایا ھے (قبیصہ بن جابر) —

ھم ھنشل کے پوتے ھیں اور اس پر فخر کرتے ھیں اور ھمارا دادا ھم پر فخر کرتا ھے۔عزت اور برتری کی کسی حد تک گھوڑے دوڑائے جائیں۔

سب سے آگے بڑھنے والے جب پاؤگے بنی ہیشل ہی کے گھوڑے پاؤگے-ہم میں سے کوئی سردار جب تک کہ کوئی لڑکا اپنا جانشین بننے کے لایق نہیں چھوڑ تا دنیا سے نہیں اُٹھتا-لڑائی کے دن ہم اپنی جانیں سستی کر دیتے ہیں-مگر امن کے زمانے میں اگر اُن کی قیمت پوچھئے تو وہ انمول ہیں-ہماری مانگوں کے بال خوشبوؤں کے استعمال سے سفید ہیں-ہماری دیگیں مہمانوں کے لئے گرم ہیں-ہمارا مال ہمارے مقتولوں کے خونبہا کے لئے وقف ہے-میں اُس قوم میں سے ہوں جس کے بزرگوں نے دشمنوں کے اتنے کہنے پر کہ "کہاں ہیں قوم کے حمایتی" اپنے کو نیست و نابود کر دیا تھا-اگر ہزار میں ہمارا ایک موجود ہو تو بھی جب یہ کہا جاے گا کہ "کون ہے شہسوار" تو اُس کی اپنے ہی پر نگاہ پڑے گی—

(بشامہ بن حزن)

اگر انسان کی عزت پر بخل کا داغ نہ ہو تو پھر وہ جو لباس پہنے اس کے بدن پر کھلتا اور زیب دیتا ہے-اگر انسان اپنے تئیں بخل کے جذبات سے نہ روکے تو پھر مدح و ستائش کا رستہ اُسے نہیں ملتا-وہ عورت ہم پر الزام لگاتی ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے-میں نے جواب دیا کہ شریف انسان دنیا میں تھوڑے ہی ہوتے ہیں-وہ قوم کم نہیں سمجھی جائیگی جس کی یادگار ہم جیسے بلند مرتبہ نوجوان اور ادھیڑ عمر کے ہوں-تعداد کی کمی ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہے-جب کہ ہمارے ہمسایے طاقتور ہیں-حالانکہ اوروں کے ہمسایے ذلیل ہوتے ہیں ہم ایک ایسے بلند پہاڑ کے مالک ہیں جس کی طرف اگر نظر اُٹھائی جائے تو وہ تھک کر واپس آجاتی ہے-ہم جس کو چاہیں اس پر پناہ لینے کی اجازت دیتے ہیں-اس پہاڑ کی جڑ تحت الثریٰ میں ہے اور اس کی چوٹی لمبی اور اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا-ہم وہ قوم ہیں کہ جنگ میں مارے جانے کو عیب نہیں جانتے-حالانکہ بنی عامر اور نہی سلول ایسا ہی جانتے ہیں-

هم موت کو پسند کرتے هیں۔اس لئے هماری عمریں کوتاہ هیں۔مگر وہ موت سے بھاگتے هیں اس لئے اُن کی زندگی اکثر دراز هوتی هے۔همارا کوئی سردار بچھونے پر پڑکر نہیں مرا۔همارى قوم کا کوئی ایسا مقتول نہیں هے جس کا انتقام یا خون بہا نہ لیا گیا هو۔همارے خون بس تلواروں کی دھاروں هی پر بہتے هیں۔هم نسل میں خالص اور غیر مکدر هیں۔ماؤں اور باپوں نے همارے نسب کو خالص اور مخفوظ رکھاهے۔هم لطافت اور صفائی میں آب باران کے مانند هیں۔ نہ هم میں کوئی بخیل هے، نہ کند ذهن۔اگر چاهیں تو اوروں کی بات کہیں تو پھر کسی کو انکار کی مجال نہیں هوتی۔اگر همارا کوئی سردار مرتا هے تو اس کا جا نشیں ایک ایسا هی سردار هوتا هے جس کا دل اور زبان شریفوں کی طرح ایک هو۔رات کے آنے والے مہمانوں کے لئے هماری آگ کبھی نہیں بُجھی اور نہ کسی مہمان نے کبھی هماری شکایت کی۔دشمنوں کے ساتھہ جو معرکے همیں پیش آئے وہ نہایت درخشاں اور نمایاں هیں۔هماری تلواریں مغرب و مشرق میں مشہور هیں اور زرہ پوشوں پر بار بار پڑنے سے اُن میں دندانے پڑگئے هیں۔هماری تلواروں کی عادت هے کہ جب تک ایک جماعت کا ستھراؤ نہ هو لے اور وہ اچھی طرح لہو نہ چاٹ لیں میانوں میں نہیں جاتیں۔اگر تمھیں همارا حال معلوم نہ هو تو دنیا کے لوگوں سے پوچھہ لو۔اس لئے کہ نبی دیان اپنی قوم کے لئے بمنزلہ قطب کے هیں اور قوم کے سارے معاملات کی چکیاں اسی قطب کے گرد گھومتی اور چلتی رهتی هیں—

(سموءل بن عادیا)

شجاعت اور بزدلی کی تصویریں

اگر میں بنی مازن میں سے هوتا تو مجال نہ تھی کہ میرے اونٹ آل ذهل کے غارت گر لوٹ کر لے جاتے۔اگر میں بنی مازن میں سے هوتا تو میری حمایت پر ایک ایسی قوم کمر بستہ هوتی جو غیرت اور غصہ کے وقت سخت هے گو کہ

بزدل آدمی اُس وقت نرم اور سست پڑ جاتے ھیں- بنی مازن وہ قوم ھے کہ جب لڑائی درندہ کی طرح اپنی ڈاڑھیں یا کُچلیاں نکال کر ڈراتی ھے تو یہ اکیلے اور اکٹھے اُس پر ٹوٹ پڑتے ھیں- وہ طالب حمایت سے کوئی دلیل نہیں پوچھتے اور فوراً اُس کی حمایت کے لئے دوڑ پڑتے ھیں- مگر میری قوم باوجود کثرت کے اس قابل نہیں ھے کہ تھوڑی سی مصیبت میں بھی لڑنے پر کمر بستہ ھو- اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرے تو وہ بزدلی کے سبب اُس کو معاف کر دیتے ھیں- اور اگر کوئی اُن کے ساتھہ بدی سے پیش آئے تو وہ نیکی کرنے پر تلے رھتے ھیں- گویا خدا نے اُن کے سوا کوئی ایسی قوم دنیا میں پیدا نہیں کی جس کے دل میں خوف خدا ھو- کاش مجھے اس قوم کے بدلے کوئی اور ایسی قوم مل جائے کہ جب وہ گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار ھو تو خوب غارت گری کرے--

(قریط بن اُنیف)

ایک سو نو برس کے بڑھے عرب کے جذبات

اگر میں بہت بوڑھا ھوگیا ھوں تو کیا مضایقہ ھے- میں مدت تک جوان رہ چکا ھوں- میری پیدائش کے دن سے ایک سو نو برس گذر چکے ھیں جن کو میں نے لباس کی طرح اُتار پھینکا ھے- میں سواروں کے بہت سے رسالے مرتب کر چکا ھوں جو لووں کی ٹکڑیوں کی طرح ایک جگہ آکر جمع ھوتے تھے- وہ ایک ایسی گھٹا تھی جس میں موت بجلی کی طرح چمکتی تھی- میں نے ان سواروں کے ساتھہ لوٹ مار کی ھے اور بہت سے مزے اُڑائے ھیں- مگر دنیا کے تمام مزے چند روزہ ھیں- میں نے جنگ بھیما کے دن بہت سی عورتیں کو دیکھا جو مارے خوف کے مونھہ کے بل گری پڑتی تھیں- انہیں میں سے ایک عورت خوف کے سبب پیاسی دکھائی دی- اُس کا گلا گھٹا جاتا تھا- وہ بول نہیں سکتی تھی- اُس کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہ رھے تھے- جب میں نے اُس کے شوھر کو قتل کردیا تو کہنے لگی کہ اے مجمع تو ھلاک ھو جیسا کہ تونے مجھے ھلاک کیا ھے- میں نے کہا- میں نہیں-

بلکہ اے اُم مجاشع! تو اور تیری قوم ہلاک ہوئی ہے۔ میں نے اس عورت کے شوہر کو ایک ایسے لمبے اور چمکدار نیزہ سے قتل کیا تھا کہ جب وہ ہلایا جاتا ہے تو اُس سے آگ کے شعلے لپکتے ہیں۔ اس کے سوا اور بہت سی عزت دار عورتیں تھیں جن کو میں نے ایسے حال میں چھوڑا کہ اُن کے مونھہ پر خراش تھی۔ وہ غمگیں تھیں اور زار زار روتی تھیں—

(مجمع بن ہلال)

فوج کشی کا سماں

ہم جب لڑائی پر کمر بستہ ہوتے ہیں تو ایسی فوج ساتھہ لیکر چلتے ہیں جس کے اطراف میں ابلق گھوڑے غایب ہوجائیں۔ جس کا پچھلا حصہ مدینہ میں اور اگلا حصہ دمشق میں ہوتا ہے۔ جب ہم مشرق اور مغرب کے درمیان چلتے ہیں تو جاگتی اور سوتی زمین لرزنے لگتی ہے۔ یعنی وہ زمین جس پر لوگ چلتے ہیں اور وہ زمین جس پر لوگ نہیں چلتے ہیں یکساں طور سے زلزلہ میں آجاتی ہے—

(ابان بن عبدہ)

نشے کی ترنگ

میں نے چھوٹے اور بڑے پیالوں میں شراب ڈالکر پی ہے۔ جب میں نشے میں ہوتا ہوں تو اپنے تئیں بادشاہ نعمان کے شاندار محلات خورنق اور سدیر کا مالک سمجھتا ہوں۔ مگر جب ہوش میں آتا ہوں تو پھر وہی بکریوں اور اونٹوں والا ہوتا ہوں جو پہلے تھا—

(منخل بن حارث لشکری)

غم کے جذبات

قیس کا مرنا ایک شخص کا مرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا۔ جو گرگئی اور اس سبب سے وہ قوم بھی گر گئی—

(عبدہ بن طبیب)

میرے ایک دوست نے قبروں کے پاس رونے سے مجھکو ملامت کی اور کہا کیا تو ہر قبر کو دیکھکر روئے گا۔حالانکہ تو جس قبر کے خیال میں ہے وہ لوہ اور دکاندک کے درمیان واقع ہے۔میں نے کہا۔ایک غم دوسرے کو اُکساتا ہے۔ میرے حال پر چھوڑدے۔میرے نزدیک تو یہ سب قبریں میرے بھائی مالک ہی کی ہیں—

(متمم بن توبیرہ)

وہ لوگ جو اُس کو قبر کی طرف لے گئے نہیں جانتے کہ انہوں نے کس چیز کو بے پروائی سے کفن میں لپیٹ دیا ہے—

(محمد بن بشیر خارجی)

میں نہیں جانتا تھا کہ لوگوں پر اس کی فیاضی کا کس قدر احسان ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پتھروں کی سلوں نے اپنے اندر چھپا لیا۔وہ مرکر زمیں کی ایک تنگ جگہ میں سما گیا۔حالانکہ جب وہ زندہ تھا تو (فوج کی کثرت کے سبب) بڑے بڑے میدانوں میں بھی نہیں سما تا تھا۔اب میں تیرے مرجانے کے بعد کسی بڑی سے بڑی مصیبت سے بھی گھبرانے والا نہیں ہوں—

(اشجع سلمی)

اے معن کی قبر! تو نے اُس کی فیاضی کو اپنے اندر کیوں چھپا لیا۔حالانکہ جب وہ زندہ تھا تو اس کی فیاضی سے زمین کی خشکی اور تری سب بھر گئی تھی۔ہاں بے شک فیاضی خود مرگئی ہے۔اس لئے وہ تیرے اندر سماسکی اور اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کے سبب تو پھٹ جاتی۔وہ ایسا جواں مرد تھا کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اُس کی فیاضی سے زندہ ہیں۔جس طرح سیل کے گذرنے کے بعد زمین سر سبز و شاداب ہو جاتی ہے۔سچ یہ ہے کہ معن کے مرنے سے سخاوت بھی مرگئی اور اُس کا خاتمہ ہو گیا اور انسانی کمالات اور خوبیوں کی ناک کٹ گئی —

(حسین بن مطہر اسدی)

مرحوم کے احسانات نے مرحوم کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے جب وہ احسان زندہ ہیں تو گویا وہ خود دوبارہ زندہ ہوگیا ہے۔ قبر کی زمین کا طول چار گز ہے اور عرض پانچ بالشت پھر تعجب ہے کہ اس میں ایک بلند پہاڑ کیونکر سما گیا — (عبداللہ ابن ایوب)

اے میری نادان گھر والی! تو اس اُونٹ کے جاتے رہنے پر کیوں غم کرتی اور روتی ہے جس کو بیچ کر میں نے شرب پی لی ہے؟ خدا کرے تیرے آنسو کبھی نہ تھمیں آخر زیدالفوارس اور زیداللات پر کیوں نہیں روتی اور بنی نضر کے دو گزرے ہوئے نامور اشخاص کی موت پر کیوں آنسو نہیں بہاتی؟ اُن نامور اور فیاض لوگوں نے مر کر زمانے کو مجھ پر چھوڑ دیا ہے اور میں اب زمانے کے حملوں کا نشانہ بنا ہوا ہوں —

(خراز بن عمرو)

سچی تعریف کا جذبہ

ہشام بن عبدالملک ایک بار حج کے لئے گیا۔ اُس نے سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لئے بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا۔ اس اثنا میں امام زین العابدین تشریف لائے اُن کے آتے ہی بھیڑ چھٹ گئی اور وہ آسانی سے سنگ اسود تک پہنچ گئے۔ ہشام نے جان بوجھکر سرداران شام سے جو اُس کے ساتھ تھے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ اُس وقت فرزدق شاعر موجود تھا۔ اُس نے چند مدحیہ اشعار امام کی شان میں پڑھے اور ہشام کو بتایا کہ وہ کون ہیں۔ اشعار کا مضمون حسب ذیل تھا —

یہ وہ ہے جس کے قدموں کے نشان کو بطحا کی زمین پہچانتی ہے۔ کعبہ پہچانتا ہے اور حل و حرم بھی پہچانتے ہیں۔ یہ اُس شخص کا فرزند ہے جو خدا کے بندوں میں سب سے بہتر اور برتر تھا۔ یہ نامور شخص پاک و صاف اور متقی اور پرہیزگار ہے۔ جب قریش اُس کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

بزرگی اور شرافت کا خاتمہ اسی شخص کی ذات پر ہے-جب وہ سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا تو قریب تھا کہ وہ اُس کے ہاتھہ کو پہچاننے کے سبب اُس کو روک لے اور اُس سے برکت حاصل کرے-قبایل عرب میں سے کون قبیلہ ہے جس کی گردن پر اس شخص کے بزرگوں کے احسانات نہ ہوں-اُس کے ہاتھہ میں ایک چھڑی ہے جس کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے-کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس ہے جو حسین و جمیل بھی ہے اور بلند مرتبہ بھی-وہ شرم و حیا کے سبب آنکھیں جھکاے رہتا ہے اور لوگ اُس کے رعب سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں-کسی کی مجال اُس سے بات کرنے کی نہیں ہوتی مگر جب کہ حسن اتفاق سے وہ مسکراے-اُس نے کلمۂ شہادت کے سوا کبھی لا (نہیں) نہیں کہا-اگر کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو اُس کا لا (نہیں) نعم ہاں) سے بدل جاتا—

(فرزدق

مختلف مدحیہ اشعار

وہ میدان جنگ میں ایسے اطمینان سے چلتے ہیں جیسے شیر زور کی بارش میں حرارت مزاج کے سبب چلتے ہیں—

جب بنی قیس اور اُن کے ساتھی بنی ذھل دریاے ذخار کی طرح جوش میں آجاتے ہیں تو مثل بڑے دریاؤں کے ہوتے ہیں-جن میں اور بڑے دریا آملیں—

لطیف اخلاق روحیں ہیں اور آل مہلب اُن روحوں کے لئے اجسام ہیں—

تو اُن کی عزت دوسروں کو نہیں دے سکتا جب تک کہ کوہ یسوم کو معہ اُس کی پہاڑیوں کے اُس کی جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہ رکھہ دے (یعنی یہ بات ناممکن ہے)—

وہ اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں اور قد کی درازی اور گردنوں کی لمبائی میں تلواروں سے تشبیہ دے جاتے ہیں—

زیاد کے دونوں بیٹے دو سیدھے گندم گوں خطی نیزے تھے۔ زمین اُن کے چلنے سے نیچے کو دبی جاتی تھی۔ اے مخالف! تو ایسے ہی لوگوں کے بھروسے پر کسی قوم سے لڑ سکتا یا صلح کر سکتا ہے —

وہ شخص تلوار کے مانند ہے کہ اگر تو اُس کو نرمی سے چھوے تو نرم معلوم ہوتی ہے اور اگر اُس کو سختی سے چھوے تو پھر اُس کی دونوں دھاریں تیز ہیں —

لوگ اُس کے سامنے ایسے خاموش بیٹھتے تھے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے ہیں کہ اگر ذرا سر ہلائیں تو پھر سے اُڑ جائیں (رعب کی تصویر ہے) —

ہجویہ اشعار

تم ایسے ابر ہو جس میں خوفناک گرج ہے۔ جس کے ساتھ تند ہوا ہے جو سنگ ریزے اُڑاتی اور خیموں کی رسیاں کاٹ دیتی ہے۔ مگر وہ برستا کبھی نہیں —

تمہاری اوتنیاں موتی ہیں یعنی تم بخیل اور نامرد ہو نہ مہمانوں کے لیے اُن کو ذبح کرتے ہو اور نہ اُن پر سوار ہو کر میدان جنگ کو جاتے ہو —

وہ جب کھانا کھاتے ہیں تو آہستہ بولتے ہیں (تا کہ کوئی مسکین آواز نہ سنے) اور اپنے گھر کے بند دروازے سے عہد لے لیتے ہیں کہ جب تک ہم کھانا کھائیں کسی کے کھولنے سے مت کھلیو —

اگر میں تمہارے دروازے پر شراب لے آتا تو تمہارا کتا مجھے صاحب خانہ خیال کرتا اور نہ بھونکتا (یعنی تم شرابی ہو اور تمہارا کتا اُس کی بو سے مانوس ہے) مگر میں جب تمہارے پاس آیا تو مشک اور عود کی خوشبو میرے کپڑوں میں بسی ہوئی تھی (اسی لئے تمہارا کتا چوکنا ہوا اور اُس نے اِس بو کو اجنبی سمجھا —

وہ گفتگو کی قدرت نہ ہونے کے سبب اپنے تالو کو زبان سے چاٹنے لگتا

اور اُس کے دل کا ابر کبھی نہیں کھلتا (یعنے ہمیشہ شک و تردد کی حالت میں رہتا ہے)—

عاشقانہ جذبات

اے خدا کے بندو! کیا سچ مچ جب تک کہ بھورے ہرن اپنی دمیں ہلاتے رہینگے میں بریدہ سے نہ مل سکوں گا—

جب اُس محبوب کی اونٹنی صبح کو روانہ ہوگئی تو میں نے اپنی اونٹنی کو اُس کے پیچھے ہنکایا حالانکہ اُس کے پاؤں بندھے ہوے تھے (یہ بیخودی کا عالم ہے)

نازنینوں کے شوق سے ہمارے دل اس طرح اہتزاز حاصل کرتے ہیں جیسے خیری کے پھول شبنم سے —

زمانے کی گردش نے اگر مجھے اُم عمرو پر کبھی قدرت دی تو پھر میں زمانے کا قصور معاف نہ کروں گا—

جب ہمارے قافلے کے اونٹ ہمیں شام کی طرف لے جارہے تھے تو یکا یک آدھی رات کے وقت تیرا خیال آیا اور میں شام کی طرف ایک قدم نہ چل سکا میں نے تیرے خیال کو لبیک کہا اور حدی خوانوں سے کہا کہ اونٹوں کو حجاز کی طرف واپس چلاؤ-اب شام کی طرف کوچ کرنے کی حاجت نہیں —

تاریک رات کی سردی میں جب کوہ جودی کے پہلوؤں پر بادل سے کچھ پانی برسا ہو اور شمال کی ہوا نے اس کو یخ کر دیا ہو تو وہ پانی میری محبوبہ کے آب دھن سے اچھا نہیں ہو سکتا-اگرچہ میں نے اس کا مزا نہیں چکھا- مگر جس چیز کو میری آنکھ دیکھتی ہے میں اُس کو خوب پہچانتا ہوں —

اے نجد کی ہوا! تو کب چلی-تیرے جھوکوں نے مجھ پر عشق کی تہیں چڑھا دیں-جب چاشت کے وقت درخت اثل کی تر و تازہ شاخ پر ایک کبوتری بولی تو اُس کی آواز سن کر میں بچوں کی طرح رونے لگا اور وہ بھید جو

میرے دل میں مدت سے چھپا ہوا تھا یکایک فاش ہو گیا—

تونے مجھے اپنے پاس بلایا اور ایسے نرم و شیریں کلام سے جو وحشی بکریوں کو بھی پہاڑوں کی چوٹیوں سے میدانوں میں اُتار لاے-یعنی وحشیوں کو رام کر لے مجھہ پر قبضہ کر لیا-پھر تو مجھہ سے دور بھاگ گئی اور تونے میری پسلیوں میں آگ لگا دی—

اے محبوبہ! تو بان کے سبز درخت سے پوچھہ جو ریت کے ایک ٹیلے پر کھڑا ہے-کیا میں نے تیری قیام گاہ کے کھنڈروں کو سلام نہیں کیا؟ کیا میں اُن کھنڈروں کے پاس شام کو دیر تک غمگین کھڑا نہیں رہا؟ کیا میری آنکھوں نے وہاں صبح کے وقت اس طرح آنسو نہیں بہاے کہ گویا موتیوں کی ایک لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اُس کے موتی لگاتار گر رہے ہیں؟ لوگ موسم بہار کی آرزو کرتے ہیں مگر میرے لئے موسم بہار تیرا وصال ہے-میں دنیا کو دیکھتا ہوں کہ وہ قحط کے نام سے کانپتی ہے مگر میرے لئے قحط تیرا کوچ کر جانا اور جدائی اختیار کرنا ہے—

جس رات میں نے سنا کہ لیلیٰ صبح یا شام روانہ ہو گی تو میرا دل اُس لوے کی طرح جو صیاد کے پھندے میں پھنس گیا ہو اور پھندے سے گردن چھڑا نے کے لئے پھڑکتا ہو بے اختیار پھڑکنے لگا—

اے محبوبہ! تو میرے ہر سونے میں آخر شے ہے اور ہر جاگنے میں اول شے ہے—

اگر جنگل کے بھیڑیے میری محبوبہ کے ہم نسب ہوتے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اُن سے بھی محبت کرتا—

اے لیلیٰ کے کُنبے کے لوگو! خدا تم میں لیلیٰ جیسے بہت سے معشوق پیدا کرے تا کہ تم میری لیلیٰ مجھے دے ڈالو اور اُس کے دینے میں بخل نہ کرو—

میری معشوقہ یا تو پری ہے یا اُس کے ساتھہ کوئی جن ہے جو بے چلہ

گمان سے دلوں پر تیر چلانا اُسے سکھاتا ہے۔وہ معشوقہ مقام جواء کی جنگلی گایوں کی طرح سنہری رنگ کی ہے —

اے محبوبہ تونے مجھے ایسے آرام کے وقت گھر سے نکلنے اور اپنی تلاش میں سفر کرنے پر مجبور کیا ہے جب کہ رنگ برنگ کے لوے نہر کے دونوں کناروں پر زمین سے چھاتی لگاے آرام کر رہے ہیں —

اے محبوبہ! جب تو مجھ سے خفا ہوتی ہے تو میں ایسے اضطراب میں رات گزارتا ہوں کہ گویا بچھو نے کاٹ کھایا ہے —

میں نک چھدے اونٹ کی طرح تیرے عشق کا تابع ہوں کہ جہاں وہ لے جاتا ہے اُس کے ساتھ جاتا ہوں —

میں تیرے وصل کا ایسا آرزو مند ہوں جیسے کوئی پیاسا کنواں کھودے اور پانی کی جگہ کوئی سخت پتھر کی سل آجاے جس کو نہ وہ توڑ سکے نہ اُس میں شگاف دے سکے —

میں فراق کی رات میں اس طرح بے چین تھا جیسے کوئی سانپ کوڑے سے پیٹا جاے اور اُس کی پشت کے مہرے ٹوٹ گئے ہوں اور وہ تڑپتا ہو مرتا نہ ہو۔یعنی میں زندوں میں تھا نہ مردوں میں —

امرءالقیس کی شاعری کا نمونہ

جب وہ دونوں نازنینیں کھڑی ہوتی تھیں تو اُن سے ایسی خوشبو آتی تھی گویا باد صبا لونگوں کے درختوں سے گزر کر آئی ہے —

آنسو میرے سینے پر اس قدر جاری ہوے کہ میری تلوار کا پرتلا تر ہو گیا —

اے لمبی رات! کیا تیرے ستارے کتان کی مضبوط رسیوں سے سخت پتھر کی چٹان سے باندھ دیے گئے ہیں؟ (کہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے اور صبح ہونے میں نہیں آتی) —

میں صبح کو ایسے وقت اُٹھتا ہوں کہ پرندے اپنے آشیانوں میں ہوتے ہیں-پھر گھوڑے پر سوار ہو کر نکل جاتا ہوں-اس گھوڑے کا تیل بڑا ہے اور بدن پر بال کم ہیں-وحشی جانور اُس کے آگے سے بھاگ نہیں سکتے-جب تم حملہ کرنا چاہو تو وہ بڑا حملہ آور ہے اور جب اُس کو پیچھے ہٹانا چاہو تو بڑی تیزی سے پیچھے ہٹتا ہے-آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کے اوصاف اُس میں ایک ساتھہ جمع ہیں-تیز رفتاری کا یہ حال ہے کہ گویا پتھر کی ایک چٹان کو سیلاب نے پہاڑ کی بلندی سے نیچے دھکیل دیا ہے-عرق گیر جو زین کے نیچے رہتا ہے اُس کی سپاٹ پیٹھہ پر سے پھسل جاتا ہے-باوجود چھریرے پن کے جب اُس کو ایڑ کا اشارہ کیا جاتا ہے تو وہ بہت گرم ہو جاتا ہے اور چلنے میں ایسی آواز آتی ہے گویا ہنڈیا جوش کھا رہی ہے-جب اور گھوڑے روندی ہوئی پتھریلی زمین میں تھک کر قدم رگڑنے اور غبار اُڑانے لگتے ہیں تو وہ اس حالت میں بھی اس طرح چلتا ہے کہ گویا تازہ دم ہے-اگر کوئی نوسوار لڑکا اُس کی پشت پر سوار ہو تو اُس کی کمر پر سے پھسل جاتا ہے اور اگر کوئی شہسوار ہو تو اُس کی تیزی کے سبب وہ اپنے کپڑے سنبھال نہیں سکتا-کاوے میں اس طرح پھرتا ہے کہ گویا پھرکی ہے جسے کوئی لڑکا بار بار گھما رہا ہے-کمر کی کوکیں ہرن جیسی ہیں-ٹانگیں شتر مرغ جیسی-دوڑ بھیڑیے کے سی ہے اور پویہ چال میں وہ لومڑی کے بچے سے مشابہ ہے-اُس کے تمام اعضا کامل ہیں-سینہ فراخ ہے-دم دراز ہے کہ زمین سے کچھہ ہی اونچی رہتی ہے اور ایسی گھنی ہے کہ اگر پیچھے کی طرف سے تم اُسے دیکھو تو وہ اُس کی رانوں کے درمیانی فاصلے کو چھپائے ہوئے ہے-وہ کج دم نہیں ہے-جب وہ ہمارے مکان کے قریب کھڑا ہوتا ہے تو اُس کی پشت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا دلہن کی خوشبو پیسنے کی سل ہے-یا اندراین کا پھل توڑنے کا پتھر ہے-آگے آنے والی نیل گایوں کا خون جب کہ اُن کی سرینوں پر نیزہ لگتا ہے-اُس

گھوڑے کے سینے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کنگھی کے سفید بالوں میں مہندی کا رنگ ہے۔نیل گایوں کا ایک گلہ یکایک ہمارے سامنے سے گزرا یہ ایسی خوش نما تھیں کہ جیسے کنواری لڑکیاں ہیں جو لمبی چادریں اوڑھے دوار بت کا طواف کر رہی ہیں۔ہمیں دیکھ کر وہ پیچھے پھریں اُس وقت اُن کی قطار یمن کے سفید و سیاہ مہروں کا ایک ہار معلوم ہوتی تھی۔اس گھوڑے نے اگلی گایوں کی طرف ہمیں اس تیزی سے پہنچا دیا کہ ابھی پچھلی گائیں بکھرنے نہ پائی تھیں۔پھر اُس نے ایک جھپٹ میں ایک گائے اور اُس کے نر کو آگے پیچھے سے دبا لیا اور با وجود اس قدر دوڑ کے اُسے پسینا بالکل نہیں آیا۔ہمارے ساتھ کے شکاری گوشت پکانے میں مشغول ہو گئے۔بعض دھکتے کویلوں پر کباب لگا رہے تھے اور بعض نے ہانڈیاں چولھوں پر چڑھا دی تھیں۔شکار کے بعد جب شام کو ہم گھر واپس آئے تو با وجود اس قدر محنت کے گھوڑے کے حسن و جمال میں فرق نہیں آیا تھا۔اب بھی ہماری نظر اُس کے جسم پر پڑ کر پھسل جاتی تھی—

دوست! ذرا آسمان کی طرف دیکھو۔بجلی کس طرح چمک رہی ہے۔تہ بتہ ابر میں گویا کوئی شخص اپنے دونوں ہاتوں کو حرکت دے رہا ہے۔بجلی گویا راہب کا چراغ ہے جس کی بتی پر تیل خوب جھکا دیا گیا ہے۔ہم ضارج اور عذیب کے درمیان بجلی اور بادل کا تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ گئے۔بجلی کی روشنی میں معلوم ہوتا تھا کہ دائیں طرف بارش کا سلسلہ کوہ قطن تک ہے اور بائیں طرف کوہ ستار اور یذبل تک موضع کتیف میں اس زور کی بارش نے کنہبل جیسے بڑے بڑے درختوں کو گرا دیا ہے۔تیماء میں کوئی مکان بے گرائے نہیں چھوڑا بجز اُن مکانوں کے جو پتھروں سے بنائے گئے تھے۔کوہ ثبیر بارش کی دھاروں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی بڑا سردار دھاری دار کملی اوڑھے بیٹھا ہے۔کوہ مجیمر اور اُس کی آس پاس کی چوٹیاں پانی کے سیلاب اور

وڑے کرکٹ میں اس طرح معلوم ہوتی ہیں کہ گویا تکلے کا دمکڑا ہے - بادل نے پانی کا سارا بوجھہ غبیط کے جنگل میں اُتار پھینکا - گویا ایک یمنی تاجر ہے - جس نے کپڑے کے رنگارنگ تھان کھول کر پھیلادیے ہیں (اس سے مراد نباتات اور پھول ہیں) وادی جواء کے مکاکی پرندایسی خوشیاں منا رہے ہیں کہ گویا فلفل آمیز شراب اُن کو پلادی گئی - وادی میں شام کے وقت وہ درندے جو کیچڑ یا پانی میں غرق تھے دور سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جنگلی پیاز کی جڑیں ہیں —

عمرو بن کلثوم کی شاعری کا نمونہ

وہ ایسے چہرہ سے ہنستی ہے کہ گویا آفتاب نے اُس پر اپنی روشنی کی چادر ڈال دی ہے —

جب تلواریں علم کی جاتی ہیں تو ہم ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا سب لوگ ہمارے بچے ہیں - ہماری قوم کے لوگ دشمنوں کے سروں کو کاٹ کر اس طرح لڑھکاتے ہیں جیسے لڑکے گیندوں کو لڑھکاتے ہیں - ہم ہی ایسے ہیں کہ جس بات کو چاہیں روک دیں اور جہاں چاہیں اُتر پڑیں - ہم اپنے فرمان برداروں کی حفاظت کرتے ہیں اور نافرمانوں پر چڑہ دوڑتے ہیں - جب ہم کسی چشمہ پر اُترتے ہیں تو بس ہم ہی صاف پانی پیتے ہیں - ہمارے سوا اور لوگ گدلا پانی پیتے ہیں - ہم نے روے زمین کی خشکی کو اپنی قوم سے بھردیا ہے اور سمندر ہماری کشتیوں سے پٹ گیا ہے - جب ہمارے کسی بچے کا دودہ چھڑایا جاتا ہے تو دنیا کے زبردست لوگ اُس کے سامنے ادب سے زمین پر جھک جاتے ہیں —

ابر کی تعریف

ابر کے ٹکڑے رات کے ابتدائی حصے میں مستانہ چال چل رہے تھے - بادلوں کی قطاریں جنگلوں میں اس طرح گرجتی تھیں جیسے اونٹنیاں ایک دوسرے کو دیکھکر چلاتی ہوں - بادلوں کے بلند کنارے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا وہ کوہ لبنان کی چوٹیاں ہیں - بارش کا زور اُن ہواؤں کا مقابلہ کرتا تھا - جو

حضر موت کی طرت سے چلتی تھیں-اس بارش نے بلند مقامات کے درخت عرفج کو اور نمکیں گھاسوں کی جڑوں اور ریشوں کو یکساں طور سے تر و تازہ کردیا ابر کے بوجھل ٹکڑے اس طرح آھستہ چلتے تھے جیسے رسی بندھے کمزور اونت نرم زمین پر چلتے ھوں—

ارقم سانپ کی تصویر

تم اُس کو سوکھی گھاس اور سوکھی لکڑیوں میں جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ھوگئی ھوں، چلتا ھوا دیکھوگے اُس کی کینچلی چھل گئی ھے-اُس کی کمر پر یمن کی ایک پرانی منقش چادر پڑی ھوئی ھے-اُس کی کُھلی کھال اور گردن کی دونوں طرفوں میں خوبصورت نقش اور مختلف رنگ ھیں-اُس کے گلے میں نیچے کی طرت شکن دار اور لٹکی ھوئی کھال ایسی معلوم ھوتی ھے کہ گویا اُس کے گلے میں دھرا گُندھا ھوا تسمہ پڑا ھوا ھے (سانپ جس قدر زھریلا ھوگا اُس کے گلے کی نیچے کی کھال اُسی قدر شکن دار اور لٹکی ھوئی ھوگی) جب گرمی کے موسم میں سانپوں کے کینچلی ڈالنے کا وقت آتا ھے تو وہ ھمیشہ اپنی قدیم کھال کا استر پہنے رھتا ھے جس کا پوست اُتارا نہیں گیا (یعنی وہ شدت مزاج کے سبب کینچلی نہیں چھوڑتا)—

عورتوں کی مذمت

وہ حسن و ملاحت سے اس قدر دور ھے جس قدر زمین چاند سورج سے—

اُس کی ناک بجاے طول کے عرض میں بڑی ھے اور اُس کی آنکھیں بجاے عرض کے طول میں بڑی ھیں-اُس کی دونوں باچھوں کی ملنے کی جگہ گدی کا گڑھا ھے —

اُس بد سرشت عورت سے ملاقات کرنا ایسا ھے کہ گویا سانپ کفتار اور مگر مچھہ نے ایک ساتھہ نکل کر مجھے گھیر لیا ھے-اُس کی باتیں ایسی تکلیف دہ ھیں جیسے دانت کا اکھاڑنا یا موچھہ کا بال نوچنا-اُس کے غمزے ایسے ھیں

جیسے کوئی ناک پر گھونسا مارے-وہ زرد اور میلے دانتوں سے ہنستی ہے اور ایسی لمبی اور موٹی گچھلیوں سے کہ گویا وہ قبیلہ طے کی دو پہاڑیاں ہیں-یا مصر کے مینار ہیں—

اگر تو اُس کی پست آواز سنے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی پرندے کے بچے کی آواز ہے جس کو گھونسلے میں چگا دیا جا رہا ہے - اگر تو اُس کے سر کو بغور دیکھے تو وہ گوپھن کا ایک پتھر ہے - اُس کی ہجو سے میرا مقصد یہ ہے کہ دنیا ایک عجیب الخلقت انسان کو دیکھے—

اے ریچھہ کی ہمشکل عورت! تجھے کیا ہوگیا کہ تو بجاے طول کے عرض میں بڑھتی چلی جاتی ہے؟کیا خدا نے تیری درازی قد کو عرض میں صرف کردیا-ہے اگر تیرے پیٹ پر سے کوئی انڈا پھسلا یا جائے تو وہ ٹوٹ نہیں سکتا(کوتاہ قد ہونے اور جسم کے ہر حصے کے عریض ہونے کی طرف اشارہ ہے)—

تیرے جسم کا اگلا حصہ موٹا اور پچھلا حصہ پتلا ہے-کاش اِس کے برخلاف ہوتا-

وہ عورت مرد صورت ہے-اُس کا سخت جسم سونٹے جیسا اور اُس کا قد کوتاہ ہے-وہ چوری میں اُس جنگلی کوے کو مات کرتی ہے جس کا رنگ چتکبرا ہو-اُس مونہہ سنگار کرنے کے وقت بندر کاسا اور اس کا رنگ لوے کے انڈوں کی طرح چتلا ہے-اُس کا بدن خون نہ رہنے اور گوشت نہ ہونے کے سبب زرد آلو جیسا ہے-اُس کی پنڈلیاں سوکھی اور کم گوشت ہیں جیسے ٹڈی کی پنڈلیاں-اس کے چہرے پر مسے کیا ہیں گویا کسی نے کشمش کے دانے بکھیر دئے ہیں-اس کے سر پر ایسے چھوٹے چھوٹے بال ہیں جیسے ہوا میں بازی کرنے والے کبوتر کے پر—

مختلف اشعار

اے ضرار کے فرزندو!تم اُن ہرن جیسی خوبصورت اور گنگنانے والی نازنینوں کو پسند کرتے ہو جن کے ہاتھوں میں چمکتے کنگن ہیں اور جوابن

محرز گوئیے کے مکان میں نظر آتی ہیں یا ان مکانوں کو پسند کرتے ہو جن کی چھتیں نیزوں اور تلواروں کے ستونوں پر کھڑی ہیں ؟ ا(یعنی عیش پرست بننا چاہتے ہو یا جنگجو بہادر ہونا چاہتے ہو)—

میں ہر قوم کے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنے اونٹوں کی رسی چھوٹی کر رکھی ہے حالانکہ ہم نے اپنے اونٹوں کے پاؤں سے رسی نکال دی ہے کہ وہ جہاں چاہیں چریں اُنہیں کوئی روک نہیں سکتا—

اگر سلمیٰ پہاڑ پر ہماری مصیبت نازل ہوتی تو اُس کے ٹکڑے اُڑ جاتے مگر ہماری قوم بنی عامر اس کو صبر کے ساتھ برداشت کر رہی ہے—

سفیدی اور سیاہی میں اس کی آنکھیں پنیر اور خرما سے بنی ہوئی ہیں اور اس کا باقی بدن گویا ثرید ہے (یعنی معشوقہ سراپا غذا ہے)

بعض نازک اندام عورتیں ہیں جن کی آنکھیں اس حلوے کے مانند ہیں جس میں گوشت پڑا ہو یعنی سرخ وسیاہ ہیں اور ان کے دانت سفیدی میں ستو سے مشابہ ہیں—

میں رات کو ایسے وقت چلتا ہوں کہ ستارے دھکتے ہوئے انگاروں کے مانند نمایاں ہوتے ہیں میرے گھوڑے کی پیشانی اور ایال کے بال اس کی کود پھاند کے سبب کبھی اِدھر ہوتے ہیں کبھی اُدھر- وہ نشاط میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی شہباز اپنے پروں سے بارش کے قطرے جھاڑ رہا ہے—

رات کو ایسی سردی تھی کہ کتا ایک دفعہ سے زیادہ نہ بھونکتا تھا اور اگر دوسری دفعہ بھونکنا چاہتا تو اُسے اپنی ناک پر اپنی دم کو لپیٹنا پڑتا تھا—

زمانہ جو مصیبتوں کے تیر ہم پر چلاتا ہے تو گویا وہ ایک

ایسے بلند اور سیاہ پہاڑ پر تیر مارتا ہے جس کی بلندی ابر کو چیر کر نکل گئی ہے (یعنی وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا)—

ہند کا حال سننے کے بعد جو شخص عورتوں سے کسی بات میں دھوکا کھائے تو جان لو کہ وہ بڑا ہی جاہل اور فریب زدہ ہے۔عورتوں کی آنکھیں اور اُن کی باتیں شیریں ہوتی ہیں۔مگر جو باتیں ان کے دلوں میں چھپی ہیں وہ سخت کڑوی ہیں۔کوئی عورت کیوں نہ ہو اور ظاہر میں وہ محبت کی علامتیں کیسی ہی کیوں نہ ظاہر کرے تم یقیں کر لینا کہ اُس کی محبت پائدار نہیں ہو سکتی—

جب خبر دینے والوں نے کلیب کے مرنے کی خبر دی تو میں نے کہا کہ زمیں ہل گئی ہے اور پہاڑوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔کاش آسمان اُن لوگوں پر گر پڑے جو اُس کے نیچے آباد ہیں اور کاش یہ زمین پھٹ جائے اور اہل زمیں کے ٹکڑے اُڑ جائیں—

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ "عرب کی شاعری عرب کا دفتر ہے" مذکورۂ بالا نمونے کافی نہیں ہیں۔تاہم اس مقولے میں جو بات ظاہر کی گئی ہے اُس کی جھلکیاں جا بجا ان نمونوں میں بھی موجود ہیں۔جو شخص عرب کی تمام شاعری کا مطالعہ کرے وہ اُن نتایج پر ضرور پہنچیگا جو ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں—

جغرافی اشارے

عرب کی شاعری میں قدم قدم پر بہت سے مقامات کے نام آتے ہیں۔مثلاً

یثرب — دمشق — بصرہ — قنسرین — مکہ — بعلبک — اندرین (شام)

نجد — یمامہ — صنعا — طایف — حضر موت وغیرہ —

سینکڑوں دیہات اور چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں جن کے نام شعرائے عرب کے کلام میں نظر آتے ہیں مثلاً

حزن — لوی — دکادک — حومل — توضح — جدیس — عسجل — مصامہ سلسلین — مقراۃ وغیرہ —

بہت سے پہاڑوں کے نام بھی اُن کے اشعاروں میں آتے ہیں مثلاً

اجاء — سلمیٰ — کویکب — لہیم — ستار — حایل — منجیمر — یذبل — ثبیر — قطن — ثرم وغیرہ

عرب میں دریا نہیں ہیں مگر برساتی نالے اور چشمے بہت سے ہیں اُن کے نام بھی عرب کی شاعری میں جگہ جگہ آتے ہیں مثلاً

سعبل — صفوان — بہیما — دارۃ جلجل وغیرہ

بہت سی وادیوں اور جنگلوں کے نام بھی ہیں جو عربی اشعار میں ملتے ہیں مثلاً

غبیط کا جنگل — غمیر کا جنگل — وادی جواء — وادی بطحا وغیرہ

بہت سے رملوں اور چراگاہوں کے نام بھی لئے گئے ہیں مثلاً

وقبیٰ — مرج راھط — خضرا وغیرہ

بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کی خاص شہرت تھی اور کوئی نہ کوئی بات اُن کی طرف منسوب ہوتی تھی مثلاً

تبالہ یمن کا ایک زرخیز شہر ہے - اُس کی زرخیزی و شادابی مشہور تھی —

ظبی ایک گاؤں کا نام تھا جہاں خاص قسم کے کپڑے سفید رنگ اور لال سر کے نہایت نرم و نازک ہوتے تھے - ان کپڑوں کو اسروع کہتے تھے —

اندرین ملک شام کا ایک قصبہ تھا جہاں کی شراب شہرت رکھتی تھی —

عرب کے خاص خاص جنگل تھے جہاں شیر رہتے تھے اُن کے نام حسب ذیل ہیں —

خفیہ — شریٰ - خفات — عفرین

خیبر کا قلعہ مشہور تھا عرب کی شاعری میں اُس کا ذکر اس سبب سے بھی آیا ہے کہ وہاں ایک قسم کا مہلک بخار پھیلا کرتا تھا —

عکاظ ایک مقام کا نام ہے جو نخلہ اور طائف کے درمیان تھا۔ یکم ذیقعدہ سے بیس دن تک یہاں ایک بازار لگتا تھا عرب کے شعرا ہر سال یہاں آتے اور فخر کا اظہار کرتے تھے —

ضریہ بصرہ کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں شکاری پرندے کثرت سے تھے —

جواء ایک موضع ہے جہاں کی وادی میں زرد رنگ کی جنگلی گائیں چرا کرتی تھیں اور وہاں چکاکی نام ایک پرندہ بھی کثرت پایا جاتا تھا —

خط بہامہ کا ایک مشہور مقام تھا جہاں عمدہ نیزے فروخت ہوتے تھے اور وہ خطی نیزے کہلاتے تھے —

بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا جہاں تلوار خالص فولاد کی بنتی تھی اور چوڑی ہوتی تھی —

ہجر یمن کا ایک شہر ہے جہاں کا خرما مشہور تھا —

وجرہ ایک گاؤں کا نام تھا جس کا جنگل وحشی نیل گایوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں کے سفید ہرن بھی مشہور تھے —

وادی عید یا وادی حمار یمن کی ایک وادی ہے یہ پہلے نہایت سرسبز تھی مگر ایک بار بجلی نے اُس کو جلا کر خاک کر دیا اُس وقت سے ہر ویران مقام کو وادی حمار سے تشبیہ دینے لگے —

عدولی بحرین کا ایک قریہ تھا جہاں کشتیاں بنائی جاتی تھیں —

توضح ایک گاؤں تھا یہاں کی نیل گائیں بھی مشہور تھیں —

دومۃ الجندل کا سکھن مشہور تھا —

ان کے علاوہ یمن کی ریشمی چادریں اور دو دھاری تلواریں اور شام کا کاغذ اور اعلیٰ ریشمی کپڑے شہرت رکھتے تھے۔ مشرقی تلواریں بھی

شام سے آتی تھیں—

ریگستانوں اور سرابوں کا ذکر عرب کی شاعری میں بار بار آتا ھے۔ موسموں کے ذکر میں سخت گرمی اور تمتماتی دھوپ، کبھی کبھی بارش، راتوں کا سرد ھونا اور موسم سرما میں قحط کے آثار نمایاں ھونا عرب کے اشعار سے بار بار معلوم ھوتا ھے۔شمال کی ھوا کو شمال، جنوب کی ھوا کو جنوب کہتے تھے۔مشرق کی ھوا صبا اور مغرب کی ھوا دبور کہلاتی تھی۔نکباء ایک ھوا چلتی تھی جس سے قحط کی علامت محسوس ھوتی تھی۔بیابانوں کے سفر میں غریب ستاروں کو دیکھکر چلتے تھے۔بنات النعش شام کی طرف کے ستارے اور سہیل یمن کی طرف کا ستارہ کہلا تا تھا۔فرقدین اور کہکشاں کا ذکر بھی بار بار آیا ھے۔قمری منزلوں سے بارش کے ھونے نہ ھونے کا حساب لگایا کرتے تھے۔ گرمی کا بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ جب ثریا صبح کو طلوع کرتا ھے اور جب جوزا آسمان پر نمایاں ھوتا ھے۔سفری ستارے کا طلو ع سخت گرمی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔شامی ھوا کا چلنا جو ٹھنڈی ھوتی تھی قحط کی نشانی تھی۔ مردوں کو دعا دیتے تھے کہ خدا کرے تیری قبر کو ابر قبلہ تر کرے۔یہ اس لئے کہ عرب میں بھی قبلہ سے جو بادل اُٹھتا ھے وہ بہت برسنے والا سمجھا جاتا تھا۔بعد مغرب ثریا کا طلوع کرنا بھی سردی کی علامت تھی اور سردی قحط کی—

حیوانات میں عرب کے اونٹ اور گھوڑے خاصکر مشہور ھیں۔اُن کی سینکڑوں نسلیں تھیں۔ان دونوں جانوروں کا ذکر عرب کی شاعری میں کثرت سے آیا ھے۔ان کے علاوہ جن جانوروں کے نام لئے گئے ھیں وہ حسب ذیل ھیں—

کتا جس سے پہرے اور شکار کا کام لیا جاتا تھا۔کبوتر۔فاختہ۔قمری۔اِن کا ذکر عاشقانہ شاعری میں بہت آتا ھے۔شیر۔بھیڑیا۔گور خر۔لومڑی۔نیل گاے۔ شتر مرغ۔ بکری۔ چیتا۔گرگٹ۔کفتار۔عقاب۔باز۔اُلو۔گدھ۔شکرا۔لوا۔ھد ھد۔شہد

کی مکھی - ٹڈی - چمگادڑ - مینڈک - مچھلی - چیونٹیاں - چوھا - بلی وغیرہ ایک چھوٹے سے جانور کا ذکر بھی آتا ھے جس کو جد جد کہتے تھے اور جو چمڑا کاٹکر کھاتا تھا —

نباتات میں سب سے زیادہ کھجور کا ذکر آتا ھے - اِس کے علاوہ جن جنگلی درختوں کا نام لیا گیا ھے وہ حسب ذیل ھیں —

ببول - جھاو - پیلو - تھوءر - جانڈ - آکھی - ارنڈ - کُھمبی - اندراین وغیرہ کنہبل - بشام - طلح - سیال - عرفج - اسحل خاص عرب کے درخت ھیں - شیزی ایک آبنوس جیسے درخت کی لکڑی تھی جس کے بڑے بڑے پیالے بنائے جاتے تھے - مرار ایک نہایت کڑوی گھاس کا نام تھا - نبعہ ایک درخت تھا جس کی لکڑی کمانوں کے لئے موزوں تھی - حرم بھی ایک ایسے ھی درخت کا نام تھا - درخت تنوم پر سانپ لپٹے رھتے تھے - پھولوں میں گلاب - سنبل - عرار - خیری - بابونہ - چمبیلی اور بنفشہ کا ذکر اکثر آیا ھے - اند اور بان دو نازک درخت ھیں جن کا نام عاشقانہ شاعری میں بار بار لیا جاتا ھے - ورس ایک گھاس کا نام ھے جو رنگنے کے کام میں آتی تھی - مہندی کا بھی نام لیا گیا ھے - کالی مرچیں شراب میں ڈالی جاتی تھیں تاکہ نشہ تیز ھو - میووں میں انگور اور انار وغیرہ کا ذکر آیا ھے —

تاریخی حوالے

ایام جاھلیت میں مختلف قبایل جو عرب میں آباد تھے اُن میں ذرا ذرا سی بات پر لڑائیاں ھوتی رھتی تھیں اور بعض لڑائیاں طول پکڑ جاتی تھیں شاعری نے ان قبایل کے نام کو اب تک زندہ رکھا ھے - جا بجا اُن قبایل کے نام عربی اشعار میں لئے گئے ھیں مثلاً

آل مازن - آل زبیان - آل رباب - آل ضرار - آل مطرت - آل حیہ - بنی مطر - بنی اسد - بنی کلب - بنی نمیر - بنی طریف - بنی زھیر - بنی ثعلب - بنی شیبان وغیرہ

اهم معرکے جو پیش آے هیں اُن کے نام عرب نے رکھه لئے هیں-یه نام بهی جا بجا مذکور هیں مثلاً

یوم هریر-یوم کلاب-یوم بردان-یوم خزاز-یوم بهیما وغیرہ

گهوڑے ان لڑائیوں میں خوب کام دیتے تهے-عربوں کو گهوڑوں سے خاص محبت تهی اور وہ اُن کو اپنی اولاد کے برابر عزیز رکهتے تهے-وہ اعلیٰ اور شریف نسل کے گهوڑوں اور گهوڑیوں کے نام رکهتے تهے-یه نام بهی عرب کی شاعری میں مذکور هیں-مثلاً

گهوڑوں کے نام:- شهر-ورد-صموت-جون-عرقوب-عصا-ادهم-سبط-اغبر اغر-خطار وغیرہ

گهوڑیوں کے نام:- سکاب-دهماء-شوله-شقراء-خصاف-غبراء-نعامه حنفاء وغیرہ

تلواروں اور زرهوں پر بهی عرب فخر کرتے تهے اور اُن کے بهی خاص خاص نام تهے مثلاً

تلواروں کے نام:- معلوب-اصرم-ذوالحیات وغیرہ

زرهوں کے نام:- ذات الحواشی-ذات السلاسل وغیرہ

عربوں کی رزم آرائیاں-غارتگریاں-فتح و شکست-صلح و معاهدے عهد شکنیاں-خونبها اور انتقام وغیرہ سب کچهه ان کے اشعار سے معلوم هو سکتا هے-ابن اثیر اور طبری وغیرہ مورخوں نے عرب کی شاعری هی سے مدد لیکر اس زمانے کی تاریخ مرتب کی هے-یه شاعری هی کی برکت هے که آج تک اس زمانے کے واقعات زندہ هیں—

اخلاق و تمدن

عرب کے اخلاق اور معاشرت و تمدن کا حال معلوم کرنا چاهو تو اُن کی شاعری کا مطالعه کرو-وہ اس سارے دفتر کو تمهاری آنکهوں کے سامنے

کھولکر رکھہ دیگی —

عرب جس طرح جنگجو اور بہادر ھیں اُسی طرح عاشق مزاج بھی ھیں- اُن کی عشق کی داستانیں بھی اُن کے اشعار میں قلمبند ھیں- جن جن حسین عورتوں کے ساتھہ عربوں نے عشق کیا ھے اُن کے نام اُنھوں نے بے تکلف اپنے اشعار میں درج کر دئے ھیں- مثلاً

لمیس- عبلہ- اُمامہ- طریفہ- عنیزہ- زینب- اُم رباب- نوار- سحابہ- لیلیٰ سلمیٰ- ذلفاء- ریا- خولہ- سعاد- تماضر- اُم عامر- سمیہ- ردینہ- اُم حسان وغیرہ —

اگر عاشق ایک قبیلے کا اور معشوقہ دوسرے قبیلے کی ھوتی اور دونوں قبیلوں میں رسم و راہ نہ ھوتی تو عاشق و معشوق چھپ چھپ کر راتوں کو ملتے تھے اور عاشق اپنی معشوقاؤں کو بھگا لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور اگر ضرورت ھوتی تو اس مطلب کے لئے لڑنے اور خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے- خانہ بدوش قبایل جہاں کہیں پانی کے چشمے دیکھتے چند روز کے لئے ٹھیر جاتے تھے- پھر گھاس اور پانی نہ ھونے کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے- ایسے ھی موقعوں پر نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کی آنکھیں لڑ جایا کرتی تھیں- نقل مکانی کے بعد جب کوئی عاشق ایسے مقام پر پہنچتا تھا جہاں پہلے اُس کی معشوقہ ٹھیری تھی تو وہ اُس کے قیام کے نشانوں کو دیکھکر خطاب کرتا تھا اور اُس کے فراق میں درد ناک اشعار کہتا تھا اور شعراے عرب کے قصاید کی تمہید اسی خطاب اور نوحہ سے ھوئی ھے —

رھزنی اور غارتگری عربوں کی فطرت میں داخل تھی اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے بلکہ فخر کرتے تھے- اِسی پر اُن کی معاش کا مدار تھا- موقع پا کر ایک قبیلہ کے آدمی دوسرے قبیلے پر چڑھ دوڑتے تھے اور ان کے مویشی لوٹ لاتے تھے- لوٹ کے لئے دھاوا اکثر صبح کے وقت ھوتا تھا جب کہ لوگ غافل

سوے ہوے ہوں-غارتگری کے دھاووں میں تیز رفتار اونٹوں اور اونٹنیوں سے کام لیتے تھے-اونٹوں کی خاص خاص نسلیں مشہور تھیں-ایک نسل کو مہاری کہتے تھے یہ نسل مہرہ بن حیداں کی طرف منسوب تھی جو یمن کا باشندہ تھا-شریف نسل کے اونٹوں کے ذرا ذرا سے کان کاٹ دیتے تھے اُن کو مزنم کہتے تھے-اونٹنیاں جن کی آنکھیں سیاہ اور بال سرخ ہوں نہایت قیمتی خیال کی جاتی تھیں—

گھوڑے دوڑانے اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا شوق بھی عربوں کو تھا-گُھڑ دوڑ کے گھوڑے خاص اہتمام سے پالے جاتے تھے-شریف اور نسل دار گھوڑوں پر نشان لگائے جاتے تھے تاکہ وہ دور سے پہچانے جائیں-گُھڑ دوڑ کی ہار جیت میں منجملہ دس گھوڑوں کے سات گھوڑوں کو حصہ دیا جاتا تھا-تین گھوڑے محروم رہتے تھے-دوڑ میں جو گھوڑا سب سے اول آتا تھا اُس کو مجلی، دوسرے کو مصلی، تیسرے کو مسلی، چوتھے کو تالی، پانچویں کو مرتاح، چھٹے کو عاطف اور ساتویں کو مومل کہتے تھے-باقی تین محروم گھوڑے خظی، لطیم اور سکیت کہلاتے تھے—

جوا طرح طرح سے کھیلا جاتا تھا-جوے کا مشہور طریقہ تیروں سے کھیلنے کا تھا-اونٹ کے دس حصے کئے جاتے تھے اور جو تیر آتے اُن کا حصۂ معینہ اونٹ کے گوشت میں سے دیا جاتا-جوے کے تیروں کے نام حسب ذیل تھے-فذ-توأم-رقیب-حلس-نافس-مسبل-معلق-ان سات تیروں میں سے پہلے تیر کا ایک حصہ تھا-دوسرے کے دو-تیسرے کے تین-اس حساب سے رقیب کے تین اور معلی کے سات حصے ہوتے ہیں-اگر کوئی شخص رقیب اور معلی نام کے تیر جیت لیتا تھا تو اونٹ کے دسوں حصے اُسی کو ملتے تھے-تین تیر اور تھے جن کے نام یہ تھے-سفیح-منیح-وغد-ان تیروں کا کوئی حصہ نہ تھا-اگر قحط کا زمانہ ہوتا تو جوا کھیلنے میں زیادہ فخر تھا-اس زمانے میں اگر کوئی مہمان آجاتا تو باہم جوا کھیلتے

تھے-جو شخص جیت جاتا وہ جیت کی آمدنی سے مہمان نوازی کرتا تھا—

شراب پینے کا رواج بھی عربوں میں تھا-مختلف قسم کی شرابوں کے مختلف نام تھے-شراب کی اعلی قسمیں اکثر ملک شام سے آتی تھیں-اس کو عام طور پر مشکیزوں میں رکھتے تھے-اکثر صبح یا شام کے وقت پی جاتی تھی-صبح کی شراب کو صبوح اور شام کی شراب کو غبوق کہتے تھے-صبح کے وقت اکثر چار جام پئے جاتے تھے-شراب نوشی کو بھی عیب نہیں جانتے تھے-بلکہ اس پر فخر کرتے تھے-مے فروش کی دوکان پر ایک جھنڈی لہرایا کرتی تھی-جس کو دیکھکر شراب پینے والے لوگ وہاں جمع ہوجاتے تھے-سردی میں اکثر شراب میں گرم پانی ملا کر پیتے تھے-نشہ تیز کرنے کے لئے کالی مرچیں ملا دیتے تھے-جو لوگ خودکشی کرنا چاہتے تھے وہ خالص شراب پیتے تھے-چنانچہ زھیر-عمرو بن کلثوم جو نامور شاعر تھے اور ابو عامر ملاعب الاسنہ نے اسی طرح خودکشی کی تھی-جب دشمن سے انتقام لینے کی قسم کھاتے تھے تو قمار بازی کی طرح شراب نوشی کو بھی اپنے اوپر حرام کرلیتے تھے-انتقام لینے کے بعد البتہ جی کھول کر جوا کھیلتے اور شراب پیتے تھے—

مہمان نوازی تو گویا عربوں کے خمیر میں تھی-اگر اتفاقاً کوئی شخص مہمان نواز نہ ہوتا تو اس کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے-رات کے وقت میدانوں میں یا ٹیلوں پر آگ روشن کی جاتی تھی-تاکہ بھولا بھٹکا مسافر وہاں آکر پناہ لے-مہمانوں کے لئے اونٹ ذبح کئے جاتے تھے-شیزی کے بڑے بڑے بادیوں میں لوھے کے بڑے بڑے چمچوں سے گوشت نکالا جاتا تھا اور مہمانوں کے آگے رکھا جاتا تھا-اعلی درجہ کی مہمان نوازی یہ تھی کہ ایسی اونٹنیاں مہمانوں کے لئے ذبح کی جائیں جو ہمیشہ سادہ بچے جنتی ہوں-کیونکہ ایسی اونٹنیاں قیمتی ہوتی تھیں-گوشت کھانے کے وقت علی العموم چھریوں سے کاٹا جاتا تھا-مہمان نوازوں کی دیگوں کا سیاہ رہنا تعریف کی بات تھی-کیونکہ یہ ہمیشہ

کھانا پکنے کی علامت تھی۔شاعر جو اپنی مہمان نوازی کی تعریف کرتے ہیں، اپنی قیام گاہ پر آگ جلانے، دیگوں کے سیاہ ہونے، اُن میں گوشت کے جوش کھانے، آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بلند ہونے، دیگوں میں پیالے یا چمچے ڈال کر شوربا اور گوشت نکالنے اور اُس وقت کنیزوں کی پھرتی اور سرگرمی کی تعریف مزے لے لے کر کرتے ہیں۔ہجو کے موقع پر کہتے تھے کہ فلاں شخص کی اونٹنیاں موتی تازی ہیں، یعنی وہ مہمانوں کی خاطر ان کو ذبح نہیں کرتا۔عورتیں البتہ اپنے شوہروں کو حد سے زیادہ مہمان نوازی پر ملامت کیا کرتی تھیں۔مگر اس کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔مہمان نوازی کے علاوہ قیدیوں کو چھڑانا، تاوان و دیت ادا کرنا سائلوں کو دینا اور یتیموں کی پرورش کرنا بھی عربوں کے نزدیک نیکی اور بھلائی کے کاموں میں داخل تھا—

عورتوں کا درجہ عربوں کے نزدیک نہایت ادنیٰ تھا۔وہ گھروں میں باندیوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھیں۔ان کی بات کی مطلق پروا نہیں کی جاتی تھی۔وہ لوٹ کے مال کی طرح لوگوں کے ہاتھ آسکتی اور غیروں کے ہاں باندیاں بنائی جاسکتی تھیں۔عربوں کا قول تھا کہ عورتوں کی موت ان کی زندگی سے بہتر ہے۔چنانچہ اس خیال کو بار بار عرب شعرا نے بیان کیا ہے۔لڑکیاں ذرا بالغ ہوتیں تو اکثر زندہ دفن کردی جاتی تھیں۔اس رسم کو اسلام نے آکر فنا کیا اور عورتوں کے درجے کو بلند کیا۔اُس زمانے کی عورتیں طرح طرح کے توہمات میں مبتلا تھیں۔اس کا ذکر آگے آتا ہے۔آسودہ حال عورتیں ریشم کا سفید یا زرتار لباس پہنتی تھیں۔وہ اکثر آرام طلب ہوتی تھیں اور چاشت کے وقت تک سوتی رہتی تھیں۔وہ رات کے وقت جامۂ خواب پر پٹکا نہیں باندھتی تھیں۔یہ عادت خادمہ عورتوں کی تھی۔کرتی اور انگیا کا بھی رواج تھا۔مگر کرتی جوان عورتیں پہنتی تھیں اور انگیا وہ لڑکیاں جو قریب بلوغ ہوں۔بدن کے حصوں کو سوئی سے گودنے اور اُن میں سرمہ یا نیل بھرنے کا بھی

رواج تھا-دولت مند اور آسودہ حال گھرانوں کی عورتیں جو ریشم کی چادریں استعمال کرتی تھیں ان پر کجاوہ کی تصویر اور دوسری قسم کی تصویریں اور گل بوٹے بنے ہوتے تھے- زیوروں میں خلخال بازو بند کنگن اور ہار کا رواج تھا-اکثر عورتیں سرمہ سے دانتوں اور مسوڑھوں کو سیاہ کرتی تھیں-اور یہ بات اُن کے نزدیک زیبائش و آرایش میں داخل تھی-عرب کوتاہ قد اور دبلی پتلی عورتوں کو پسند نہ کرتے تھے-ان کے نزدیک عورتوں کا موٹا تازہ ہونا اور دراز قد ہونا ممدوح تھا—

مردوں کی پوشاک عام طور سے تہ بند اور کرتہ اور دھاری دار چادر تھی- لڑائی کے وقت چرمی کرتہ پہنتے تھے اور اُس پر زرہ پہنا کرتے تھے زرہ اکثر ایران سے آتی تھی باریک بنی ہوئی اور چھوٹے حلقوں والی زرہ کو پسند کرتے تھے اور اس کو داؤدی زرہ کہتے تھے- سغد ایک زرہ ساز کا نام تھا- اس کی بنائی ہوئی زرھیں مشہور تھیں- سر پر خود لگاتے تھے- تلواروں اور برچھوں سے لڑتے تھے یمنی اور ھندی تلواریں اور ردینی نیزے مشہور تھے' ردین ایک نیزہ ساز کا نام تھا- دور کی لڑائی میں تیروں کا استعمال کرتے تھے - اگر تیر نہ رھتے تو کمانوں کو لاٹھیاں بنا کر لڑتے تھے- لڑائی کے بردے فروخت کردئے جاتے تھے- یا ان کے ناک کان کاٹ لئے جاتے تھے- عورتیں باندیاں بنالی جاتی تھیں- اِن باندیوں سے گھر کا تمام کام کاج لیا جاتا تھا- وہ جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی تھیں پانی بھرتی تھیں مہمانوں کی خدمت کرنا بھی ان کے فریض میں داخل تھا-ان کا لباس بمقابلہ گھر کی عورتوں کے ادنیٰ درجہ کا تھا- باندیوں کو ناچنا گانا بھی سکھایا جاتا تھا چناچہ ایک گویا ابن محرز باندیوں کو گانا سکھانے کا کام انجام دیتا تھا- باجوں میں رباب دف عود اور مبربط کا رواج تھا- لڑائی میں جو باندیاں زخمیوں کی مرھم پٹی کرتی تھیں وہ رواسی کہلاتی تھیں- یہ کام عرب بذات خود عیب سمجھکر نہیں کرتے تھے- فوج کے

سرداروں کو لڑائی فتح ہونے کے بعد مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ملتا تھا۔ اپنے گروہ اور دشمن کے گروہ میں جنگ کے وقت تمیز کرنے کے لیے کوئی علامت مقرر کرلیتے تھے۔ مثلاً سرمنڈا لیتے۔ عربوں کے نزدیک بستر پر گل سڑ کر مرنا سخت عیب تھا وہ چاہتے تھے کہ چلتے ہاتھ پاؤں لڑکر مارے جائیں۔ ان کی عورتیں اپنے شوہروں کی جوانمردی پر فخر کرتی تھیں۔ اسی لئے شاعر لڑائی کا ذکر عورتوں سے مخاطب ہوکر کرتے ہیں۔ وہ نسب پر فخر کرتے تھے دوغلوں کو نامرد اور بہادری ان کے نزدیک شریفوں کی علامت تھی۔ لڑائی میں پیٹھ پھیرنا ان کے نزدیک بہت معیوب تھا۔ ان کا قول تھا کہ ہمارے زخموں کا خون ہماری ایڑیوں پر نہیں گرتا۔ بلکہ قدموں پر گرتا ہے۔ لڑائی کے تازہ مقتولوں کا ماتم عورتیں ننگے سر ہوکر صبح شام کیا کرتی تھیں۔ مردوں کو کفن دیکر دفن کرنے کا رواج تھا۔ قبر اکثر چار گز لمبی اور پانچ بالشت چوڑی ہوتی تھی۔ کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے مقتولوں کا انتقام لیا جائے یا دیت لی جائے۔ مگر دوسری صورت اکثر کمزور اور نامردی کی علامت خیال کی جاتی تھی۔ دستور تھا کہ صلح کی گفتگو کے وقت ہر ایک فریق دوسرے کی طرف نیزہ کی بوڑی رکھکر بیٹھتا تھا اگر صلح منقطع ہوجاتی تو نیزے کی بھال ایک دوسرے کی طرف کردی جاتی تھی قوم کے سردار ایسی محفلوں میں کوٹ باندھکر بیٹھتے تھے اور آگے تلوار رکھلتے تھے معاہدوں کی پابندی کی جاتی تھی مگر کبھی کبھی عہد شکنی پر بھی مایل ہوجاتے تھے۔ اس صورت میں عہدشکنی کرنے والا شخص یا فریق تمام عرب میں بدنام ہوجاتا تھا۔ اس کے بدنام کرنے کے لئے اونچے مقامات پر آگ جلائی جاتی تھی اگر کوئی شخص پناہ میں آتا اور قتل سے بچایا جاتا تو جو آدمی پناہ دیتا تھا وہ پناہ مانگنے والے پر چادر ڈال دیتا تھا۔

عرب اکثر خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے مکان بنا کر بہت کم رہتے تھے۔ شہروں اور قصبوں میں مکان بھی تھے تو وہ معمولی قسم کے تھے۔ اس زندگی کے

علاوہ عربوں کے اخلاق و تمدن کے متعلق متفرق باتیں عرب کی شاعری سے معلوم ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں—

زمانہ امن کا مشغلہ اکثر شکار ہوتا تھا- نیل گایوں اور ہرنوں کا شکار نہایت پھرتی اور مستعدی کے ساتھہ کیا جاتا- شکاری کتوں سے بھی شکار میں کام لیاجاتا تھا- اعلی نسل کے شکاری کتوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی- ان کے کان لٹکے ہوے اور کمر پتلی ہوتی تھی ان میں سے بعض کے نام بھی عرب کے اشعار میں مذکور ہیں- مثلاً کساب اور سخام دو اعلی نسل کے شکاری کتوں کے نام تھے-شکار میں تیر اور نیزہ کا استعمال کرتے تھے اور شکار کے وقت پھرتی کی غرض سے چادر سر سے اُتار کر کمر سے باندہ لیتے تھے—

زبردست لوگ اپنے اونٹوں کو داغ دیا کرتے تھے تاکہ لوگ پہچان جائیں کہ یہ فلاں سردار کے ہیں اور اُن کو چشموں پر پہلے پانی پینے دیں-اس کے علاوہ طاقتور لوگ اپنی ہیکڑی جتانے کےلئے طرح طرح کی تجویزیں کرتے رہتے تھے- مثلاً کلیب نے ایک کتا پال رکھا تھا- لوگوں کا فرض تھا کہ اِس کتے کے دائیں بائیں سے گزریں-اُس کے پاس نہ آئیں-بنی ابیعہ داڑھیاں منڈواتے اور مونچھیں کترواتے تھے-اگر کوئی اور ایسا کرتا تو گویا اُن سے لڑائی مول لیتا تھا-بنی عبدالقیس کا دستور تھا کہ اگر کوئی گالی دے تو یہ اُس کے طمانچہ مارتے تھے-اگر وہ بھی طمانچہ مارے تو قتل کیا جاتا تھا-بنی بکر ایک پرندہ کو وسط سڑک میں باندہ دیتے تھے-ضرور تھا کہ لوگ اُس رستے سے نہ جائیں- بشدہ ضرورت کی حالت میں اُس کے دائیں بائیں سے گزریں—

عرب اپنے بچوں کو سونگھتے تھے اور اسی لئے ان کو ریحانہ کہتے تھے-ان کے گلوں میں اکثر تعویزوں کا ہار ڈالتے تھے-بچے کپڑے کے گوڑے بناکر ایک دوسرے کو مارتے اور کھیلتے تھے-بچوں میں پھرکیوں سے کھیلنے کا بھی رواج تھا-بچوں کے ایک خاص کھیل کا نام اشعار میں آیا ہے،جس کو فیال کہتے تھے-

مٹی یا ریت کو دو حصوں میں تقسیم کرکے کسی حصے میں کوئی چیز دباتے اور پوچھتے کہ وہ چیز کس حصے میں ہے-اسی پر ہار جیت کا مدار تھا—

رات کا سفر اور دوپہر کے وقت کا سفر عرب کے نزدیک پسندیدہ تھا-کیونکہ اس میں جفاکشی اور جرأت پائی جاتی- سفر کے وقت ان کی عادت تھی کہ تجربہ کار اونٹ کو آگے بڑھاتے تھے اور وہ زمین کو سونگھکر معلوم کرلیتا تھا کہ پانی یہاں سے اس قدر دور ہے اور منزل مقصود کتنے فاصلے پر ہے-اگر دونوں مقام دور ہوتے تو وہ جلد جلد چلنے لگتا تھا-سوت عربی میں سونگھنے کو کہتے ہیں اور اسی سے مسافت کا لفظ بنا یا گیا ہے—

سرسبز مقامات مثلاً یمامہ وغیرہ میں پانی سے زمین کو سینچنے کے لئے رہٹ بھی جاری تھے جن کو عرب منجنوں کہتے تھے-اس کے علاوہ عرب کے اشعار سے پن چکی کے رواج کا بھی پتہ چلتا ہے-

لکھنا پڑنا عرب کے لوگ بہت کم جانتے تھے-عہد رسالت میں بھی اس فن کے جاننے والے اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں-قران مجید میں اسی سبب سے عرب کی قوم اُمی بتائی گئی ہے-ایام جاھلیت کے شعرا فن کتابت کو روم و فارس کی طرف منسوب کرتے ہیں-ہرن کی پتلی کھال پر لکھنے کا رواج تھا جس کو عربی زبان میں رق کہتے ہیں-قرآن مجید میں یہ لفظ آیا ہے—

عقائد و توھمات

اسلام سے پہلے حجاز اور وسط عرب میں بت پرستی ہوتی تھی-کعبہ میں تین سو ساٹھ بت بتائے جاتے ہیں-ان میں سے مشہور بتوں کے نام حسب ذیل ہیں—

لات-منات-عزیٰ-اساف-نائلہ-دوار-ان میں سے دوار کا ذکر اکثر آتا ہے اور کہیں کہیں لات اور عزیٰ کا بھی-دوار کے گرد نوجوان عورتیں سروں پر چادریں ڈالے طواف کرتی تھیں—

عیسائی، یہودی اور مجوس بھی عرب میں جا بجا تھے۔حضرت ابراھیم کا دین توحید ماننے والے بھی تھے ایام جاھلیت میں کچھہ لوگ ایسے بھی تھے جو حشر و نشر کے قایل تھے اور اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن آئے گاجب کہ نیکیوں اور بدیوں کی جزا اور سزا دی جاے گی—

عوام عرب طرح طرح کے توھمات میں گرفتار تھے۔عورتیں مختلف رنگ کے ڈورے گلے میں ڈالتی تھیں تاکہ نظر بد سے بچیں۔ان ڈوروں کو بریم کہتے تھے۔عرب مراد پوری ھونے کے لئے طرح طرح کی منتیں مانتے تھے۔ان منتوں کے پورا کرنے میں کبھی کبھی لوگ چالاکی بھی کرتے تھے۔مثلاً بعض لوگ منت مانتے تھے کہ اگر اُن کا بکریوں کا گلہ سو تک پہنچ جاے گا تو بتوں کے نام پر ایک بکری ذبح کی جاے گی مگر منت پوری ھونے پر بکری کی جگہ ھرن کا بچہ ذبح کیا جاتا تھا۔دستور تھا کہ کسی شخص کے مرنے پر اُس کی اونٹنی اُس کی قبر پر باندہ دی جاتی تھی۔اُس کی آنکھوں پر پٹی باندہ دیتے تھے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی۔خیال تھا کہ قیامت کے دن مرنے والا اس اونٹنی پر سوار ھوگا۔ایسی اونٹنی کو بلیہ کہتے تھے۔عرب خیال کرتے تھے کہ ھر شاعر کے ساتھہ ایک جن رھتا ھے جو شعر کا القا کرتا ھے۔اگر کوئی شعر لکھنے میں عاجز ھوتا تو کہتے کہ اس کا جن بھاگ گیا۔جن لوگوں سے عجیب و غریب یا غیر معمولی کام سرزد ھوں ان کو دیونی کی اولاد بتاتے تھے۔وہ بھوتوں کے بھی قایل تھے۔ان کے سروں کے گرد آلود ھونے اور تیزی کے ساتھہ چلنے کا ذکر بھی اشعار میں آتا ھے۔اگر کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جاے تو خیال کرتے تھے کہ اس کی قبر میں ھمیشہ اندھیرا رھے گا۔وہ گھوڑوں کی سعادت و نحوست کے قایل تھے۔منحوس گھوڑوں کو ایک منحوس گھوڑے کی اولاد بتاتے تھے جس کا نام راحس تھا۔اُن کا خیال تھا کہ اگر تیر چلانے والا اپنے تیر پر تھوک دیتا ھے تو پھر اُس کے تیر کا نشانہ جو شخص ھو وہ زندہ نہیں بچتا۔اُن کا خیال تھا کہ اگر

پادشاہ کے بائیں ہاتھہ کی بیچ کی انگلی میں پچھنے لگا کر خون لیا جائے اور یہ خون چھوارے میں رکھکر اُس شخص کو کھلایا جائے جسے باولے کتے نے کاٹا ہے۔تو اس کو شفا ہوجاتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جب مردہ گل کر مٹی ہو جاتا ہے تو اس کے سر میں سے ایک پرندہ نکلتا ہے اور اس قبر پر آواز لگاتا ہے۔اس پرندہ کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔عرب شگونوں کے بھی قایل تھے اور اکثر پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے۔جب وہ کسی دوست کو رخصت کرتے تو اسے بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ یہ ایک شگون تھا اور اس غرض سے کیا جاتا تھا کہ جانے والا جلد واپس آئے۔نامرد کو ابن صبح کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر عورت صبح کو حاملہ ہو تو بچہ نامرد پیدا ہوتا ہے۔عربوں کے نزدیک قزح ایک فرشتے کا نام تھا جو بادلوں پر مامور ہے۔اسی کی کمان کو قوس قزح کہتے تھے—

غرضکہ عرب کی شاعری کے مطالعہ سے عرب کے متعلق جغرافی آثار تاریخی واقعات اخلاقی و تمدنی مناظر اور ان کے عقاید و توھمات کے متعلق سب کچھہ معلوم ہوسکتا ہے اور یہ جو کچھہ لکھا گیا اسی مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔ اگر مضمون کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو اور بہت کچھہ بیان ہو سکتا تھا۔ تاہم اس قدر بیان سے بھی ناظرین اس مقولہ کی صداقت مان جائیں گے کہ فی الحقیقت عرب کی شاعری عرب کے حالات و خیالات کا دفتر ہے—

اب آخر مضمون میں مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کی شاعری میں اظہار خیالات کے کیا طریقے تھے—

خیالات کے سانچے

خیالات کے اظہار کے لئے جو اہم پیرایے عرب کے شعرا نے استعمال کئے ہیں۔ وہ تین ہیں۔ (۱) کنایہ (۲) استعارہ (۳) تشبیہ۔ذیل میں تینوں طریقوں کی مثالیں لکھی جاتی ہیں—

عربی شاعری کے کنایے

پاؤں کا جوتی کے تسمے سے نکل جانا موت سے کنایہ ہے—

اونٹ کا کسی پر اپنی چھاتی ٹیک کر بیٹھنا ہلاک ہونے سے کنایہ ہے—

مادر کرگس یا گدوں کی ماں موت سے کنایہ ہے- کیوں کہ موت لوگوں کو ہلاک کرکے گدوں کے لئے خوراک مہیا کرتی ہے—

تبالہ میں اُثر پڑنا مالا مال ہونے سے کنایہ ہے- تبالہ یمن کا ایک زرخیز شہر تھا- بے دانت کی درانتی تلوار سے کنایہ ہے—

کانوں کا جڑ سے کٹ جانا ذلیل ہونے سے کنایہ ہے—

نامرد کتے والا سخی سے کنایہ ہے- کیوں کہ مہمانوں کی کثرت آمد رفت کے سبب کتا بھوکنا چھوڑ دیتا ہے —

دبلے شتر بچے والا بھی سخی سے کنایہ ہے- کیوں کہ اونٹنی کا دودھ مہمانوں کو پلایا جاتا ہے اس لئے اُس کا بچہ دبلا ہو جاتا ہے—

بہت راکھ والا بھی سخی سے کنایہ ہے- کیوں کی مہمانوں کی کثرت کے سبب اُس کے ہاں کھانا بھی کثرت سے پکتا ہے اور باورچی خانے میں راکھ کا ڈھیر لگ جاتا ہے—

اندراین توڑنا بے اختیار آنسو جاری ہونے سے کنایہ ہے- کیوں کہ جب کوئی شخص اندراین کا پھل توڑتا ہے تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں—

ہونٹوں نے دانتوں کا ساتھ چھوڑ دیا- یہ خوف سے کنایہ ہے کیوں کہ خوف کے وقت منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے —

چمڑے کے خیمے والے بڑے اور مالدار آدمیوں سے کنایہ ہے- کیوں کہ اس کا مقدور امیروں اور بڑے آدمیوں ہی کو تھا—

پنڈلی کھلنا مصیبت سے کنایہ ہے۔ کیوں کہ مصیبت کے وقت پردہ نشین عورتیں گھر سے باہر نکل بھاگتی ہیں —

پریشان ہوا میں چلنا قحط سے کنایہ ہے کیوں کہ عرب میں ہمیشہ ایسی ہواؤں کا چلنا قحط کی علامت خیال کیا جاتا تھا —

سر کی چادر بائیں ہاتھ میں لینا عورتوں سے خوت زدہ ہونے سے کنایہ ہے۔ کیوں کہ خوت کے وقت وہ اکثر یہی عمل کیا کرتی تھیں —

لونگوں یا سنبل کا سرمہ لگانا رونے سے کنایہ ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے آنکھوں سے بے اختیار پانی جاری ہوجاتا ہے —

اُس زمین میں شترمرغ کے انڈے کثرت سے ہیں یا پھیلے پڑے ہیں۔ یہ زمین کے سرسبز ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ شترمرغ ایسی ہی زمین میں انڈا دیتے ہیں —

لمبے پرتلے والا، دراز قد انسان سے کنایہ ہے کیوں کہ جس کا پرتلا لمبا ہوگا۔ اس کی تلوار لمبی ہوگی اور جس کی تلوار لمبی ہوگی اس کا قد بھی دراز ہوگا —

ہمارے گھوڑے بنات النعش کی طرت جارہے ہیں۔ یعنی ہم شام کی طرت کوچ کررہے ہیں یہ بھی کنایہ ہے۔ کیونکہ بنات النعش شامی ستارے سمجھے جاتے ہیں

آگ میں لکڑیاں یا ایندھن ڈالنا فتنہ فساد بڑھانے سے کنایہ ہے —

تہ بند ڈھیلا ہونا خوت سے کنایہ ہے —

دامن کمر پر باندھنا مستعدی سے کنایہ ہے —

گرگٹ کا درخت پر دم ہلانا گرمی کے وقت سے کنایہ ہے۔ کیونکہ گرمی کے وقت گرگٹ یہی حرکت کرتا ہے —

عربی شاعری کے استعارے

میں موت کے تھنوں سے اس وقت دودہ نکالتا ہوں جب کہ بڑے بڑے بہادر آدمی بھاگ نکلتے ہیں۔ یہاں موت کا

استعارہ ناقہ سے ہے—

لڑائی کا استعارے اس درندہ سے جو داڑھیں نکالکر اپنے شکار کو ڈراتا ہو۔

نسب کے صاف و خالص ہونے کا استعارہ بارش کے پانی سے—

کمزور اور نامرد کا استعارہ اس گوشت سے، جو قصائی کے تختے پر رکھا ہو کہ جو چاہتا ہے اُسے خرید کر لے جاتا اور اپنے کام میں لاتا ہے—

ذلیل وخوار آدمی کا استعارہ چھوٹے کان والے شترمرغ سے—

گلے کا ہار بدنامی کا استعارہ ہے—

موت کے قریب ہونے کا استعارہ اس شکاری پرندے سے جو منڈلاتا اور پر تولکر شکار پر گرنا چاہتا ہو—

دولوں میں دول ڈالنا اوروں کے ساتھ خود بھی کوشش کرنے کا استعارہ ہے—

شعریٰ ستارہ کا ڈوب کر نکلنا تنزل کے بعد ترقی حاصل ہونے کا استعارہ ہے—

تنور گرم ہونا لڑائی کی شدت کا استعارہ ہے—

سمندر کی موجوں کا چاروں طرف سے گھر آنا رات کی تاریکی پھیلنے کا استعارہ ہے—

بھوکے بھیڑیوں کا جھپٹنا بہادروں کے حملہ آور ہونے سے استعارہ ہے—

دل کے لئے گھاس چارہ تلاش کرنا دیدار معشوق سے تفریح چاہنے کا استعارہ ہے—

دبی ہوئی چنگاریوں کا سلگ اٹھنا کینوں کے ظاہر ہونے کا استعارہ ہے۔

موتی خاک پر بکھیرنا نصیحت ضایع کرنے کا استعارہ ہے—

صبح کی روشنی میں جاگنا بڑھاپے میں ہوشیار ہونے کا استعارہ ہے—

دل کے کناروں پر ابر چھایا رہنا شک و تردد کی حالت میں مبتلا رہنے کا استعارہ ہے—

یمن کے ریشمی منقش تھانوں کا وادی میں پھیلایا جانا رنگ برنگ کی نباتات کا نمایاں ہونے کا استعارہ ہے—

پردے کے انڈے کواری پردہ نشین لڑکیوں کے لئے استعارہ ہے—

بچھو کے سوراخ سے کئی بار کاٹا جانا بار بار ایک ہی مصیبت میں مبتلا ہونے کا استعارہ ہے—

بان یا اثل کی شاخوں کا لچکنا معشوق کے ساتھ چلنے کا استعارہ ہے—

ریت میں تیرنے والے سفینے اونٹوں کا استعارہ ہے—

اُس کے چہرہ پر خالص کُندن کی اشرفیاں بکھری ہوئی ہیں-یا اُس کے رخسارے پر شعری ستارہ نے طلوع کیا ہے-یا ثریا اُس کی پیشانی سے آویزاں ہے-یہ سب حسن و جمال کے استعارے ہیں—

موت کا ہنستے ہوئے گھات سے نکلنا میان سے تلوار کھینچنے کا استعارہ ہے

وادی جواء کی نیل گائیں یا وجیرہ کی سفید ہرنیاں حسین عورتوں کا استعارہ ہے—

لہراتے سانپ لچکتے نیزوں کا استعارہ ہے—

لباس کا داغدار ہونا عزت بگڑنے کا استعارہ ہے—

تلوار کی دھار کُند ہونا جذبۂ شجاعت کے فنا ہونے کا استعارہ ہے—

عربی شاعروں کی تشبیہات

حملہ آور کی تشبیہ غضبناک اور بھوکے شیر سے—

نیزے کے کوچے سے خون تیزی کے ساتھ جاری ہونے کی تشبیہ بھری ہوئی مشک کے دھانے سے، جب کہ مشک کھول دی جائے—

لڑائی کی تشبیہ چکی سے—

سینے میں عداوت کے جوش کی تشبیہ ہانڈی کے جوش سے—

چوکنے آدمی کی تشبیہ شکرے سے—

پہاڑ کی گھاٹی سے تیزی کے ساتھ اُترنے کی تشبیہ شہباز کے جھپٹنے سے

جو اپنے شکار پر آرہا ہو—

گھوڑوں کے دم اُٹھا کر بھاگنے دوڑنے کی تشبیہ دودہ والی اونٹنی سے جو بچا کُھچا دودہ دھنے سے گھبرا کر دم اُٹھاتی ہے—

تیز نگاہی کی تشبیہ گھوڑے کے بچے کی نگاہ سے جس کی عمر دو سال کی ہو—

لڑائی کے گھوڑوں کی تشبیہ بھوتوں سے جو تیز چلتے ہیں اور جن کے سر گرد آلود ہوتے ہیں—

جنگجو بہادروں کی تشبیہ شری کچھار کے شیروں سے—

زرہ پوش کی تشبیہ چیتے سے—

غصے سے ہلاک کرنے والے کی تشبیہ مقید اُونٹ سے جو ہری گھاس کو روند ڈالتا ہے—

انبوہ لشکر کی تشبیہ تُندی دل سے—

مددگار انسان کی تشبیہ تلوار سے جو وقت پر کام دینے میں کبھی خطا نہیں کرتی—

بری اور موذی اولاد کی تشبیہ وجع القلب (درد دل) سے—

چھوٹی لڑکیوں کی تشبیہ لوے کے بچوں سے—

غلام کی تشبیہ ترکش سے کہ جیسے وہ تیروں کا مخزن ہوتا ہے اسی طرح غلام اسرار کا مخزن ہوتا ہے—

چغل خوروں کی تشبیہ بچھوؤں سے—

دباؤ نہ ماننے کی تشبیہ اونٹنی کی اُس حالت سے جب کہ وہ با وجود پاؤں باندھنے کے دودہ نہ دے—

بہادر آدمی کی تشبیہ شیر کی خاک سے جس نے ذلت کی بو کبھی نہیں سونگھی—

عورت کی تشبیہ ہرن سے، نیل گائے سے اور پتھر کی مورت سے—

نیزوں کے باہم ٹکرانے کی تشبیہ بھوکے مینڈکوں کی آواز سے—

لڑائی کے سخت دن کی تشبیہ ایسے تاریک دن سے جس میں تارے نظر آئیں—

ایسا شخص جو دوسروں کو تکلیف پہنچائے اور اُس کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے، اُس کی تشبیہ نیلی مکھی سے، جو اونٹ کو کاٹتی ہے اور اونٹ کا اُس پر قابو نہیں چلتا—

لڑائی ہوتی دیکھکر لڑائی میں شامل ہونے والے کی تشبیہ خارشتی اونٹ سے کہ اس کے سبب سے تندرست اونٹوں کو بھی خارش ہوجاتی ہے—

رات کی تاریکی کی تشبیہ سمندر کی موج سے—

گانے میں درد ناک آواز کی تشبیہ بچہ دار اونٹنیوں کے رونے سے، جن کے بچے ایام بہار میں مرچکے ہیں—

نازک اندام عورتوں کی تشبیہ آکھی یا ارنڈ کے پودوں سے—

ارادے کے پکے انسان کی تشبیہ سانپ کے سر سے کہ جہاں چاہتا ہے بے تکلف گھس جاتا ہے—

اونٹنی کی چال کی تشبیہ ایسے بادل کی چال سے، جو جنوبی ہوا کے ساتھ دوڑتا ہو اور پانی سے خالی ہو—

گھوڑی کی رفتار کی تشبیہ پیاسی کبوتری کے اُڑنے سے—

سخی آدمی کی تشبیہ موسم بہار سے—

گوری پنڈلیوں کی تشبیہ ہاتھی دانت یا سنگ مرمر کے ستونوں سے—

لٹیروں اور حملہ آوروں کی تشبیہ عقاب سے—

شراب کے پینے سے انگلیوں کے پوروں میں جو دوران خون ہوتا ہے، اُس کی تشبیہ چینوٹیوں کے رینگنے سے—

نازنین عورتوں کے نزاکت کے ساتھ چلنے کی تشبیہہ سفید پتلے سانپ کے رینگنے سے، جس کو صبح کی شبنم نے ٹھنڈا کر دیا ہو اور اپنے پورے بل نہ کھول سکتا ہو—

عاشق کے رونے کی تشبیہہ کبوتری کے رونے سے—

آگ کے شعلوں کی تشبیہہ اونٹ کے سرخ پھیپڑوں سے—

نامرد انسان کی تشبیہہ کفتار، خرگوش اور شتر مرغ سے—

آسانی سے مطلب حاصل ہونے کی تشبیہہ خرما کھانے سے—

تکلیفیں برداشت کرنے کی تشبیہہ ایلوا چاٹنے سے—

ذلیل آدمی کی تشبیہہ میدان کی کھمبی سے کہ جو چاہے اُسے توڑ کر لے جائے۔

جو لوگ کاہل ہوں اور سفر کے عادی نہ ہوں، اُن کی تشبیہہ بنات النعش سے۔کیونکہ وہ قایم ہیں اور دیگر ستاروں کے ساتھ حرکت نہیں کرتے—

وہ شخص جو کسی کا مطیع و محکوم ہوجائے، اُس کی تشبیہہ خارشتی اونٹ سے، جو روغن قار* ملنے والے کا مطیع ہوجاتا ہے۔(خارشتی اونٹوں کے بدن پر روغن قار ملا جاتا تھا اور اس سے ان کی خارش کو سکون حاصل ہوتا تھا)۔

اونٹوں کے کوہانوں کی تشبیہہ مٹی کے ان ڈھیروں سے جو چیونٹیوں کے گھروں کے آس پاس جمع ہوتے ہیں—

دانتوں کی تشبیہہ بابونہ کے پھولوں سے—

اونٹنی کی چربی کی تشبیہہ بٹے ہوئے سفید ریشم کی جھالر سے—

---

* ہمارے ہاں روغن قاز ملنا محاورہ ہے۔یعنی خوشامد کی باتوں سے کسی کو خوش کرنا۔عجب نہیں کہ اِس محاورہ میں روغن قاز کی جگہ روغن قار ہو کیونکہ جس طرح روغن قار ملنے سے خارشتی اونٹ کو سکون حاصل ہوتا ہے اسی طرح خوشامد پسند انسان خوشامد کی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔اگر کاتبوں نے ر کو ز بنادیا ہو تو کیا تعجب ہے (سلیم)

عورتوں کی تشبیہہ شتر مرغ کے انڈوں سے (یہ تشبیہہ رنگ کے لحاظ سے ہے۔شتر مرغ کے انڈے کے رنگ میں سفیدی کے ساتھہ ہلکی زردی ہوتی ہے اور یہ رنگ اہل عرب کے نزدیک پسندیدہ تھا)—

معشوقہ کی گردن کی تشبیہہ گردن آہو سے—

حسین عورتیں کی کمر کی تشبیہہ اونٹ کی مہار سے—

ساق کی تشبیہہ نرکل کی شاداب پوری سے—

گھنے بالوں کی تشبیہہ درخت خرما کے خوشے سے—

نرم و نازک اُنگلیوں کی تشبیہ موضع طبی کے اُن کیڑوں سے جو سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور جن کے سر لال ہوتے ہیں اور جن کو اسروع کہتے ہیں—

انگلیوں کی تشبیہ اسحل کی مسواکوں سے (یہ عرب کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں پتلی اور نرم اور سیدھی ہوتی ہیں اور اِن شاخوں کی مسواکیں بنائی جاتی ہیں)—

ایسا آدمی جو شریر ہو اور جسے کوئی آدمی پاس بٹھانے کا روادار نہ ہو اس کی تشبیہ جوے کے اُس تیر سے جس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا اور جسے ہر شخص اپنے پاس سے ہٹاتا ہے—

ذلیل آدمی کی تشبیہ آب پاشی کے اونٹ سے جو چرس کھینچنے کی حالت میں کبھی آگے جاتا اور کبھی پیچھے ہٹتا ہے۔ یعنی آب پاشی کرنے والے شخص کے اشارے کا تابع ہوتا ہے—

لشکر کی تشبیہ پھیلے ہوے برسنے والے ابر سے یا سیلاب سے کہ جو کچھہ اُس کے سامنے آتا ہے اُس کو بہا لے جاتا ہے—

جلا قوم شخص کی تشبیہ خارشتی اونٹ سے جو تندرست اونٹوں سے الگ باندھا جاتا تھا—

زلفوں کی تشبیہ درخت تنوم کے سانپوں سے جو اُس کے گرد بیٹھے

رهتے هیں —

تند خو آدمی کی تشبیه شیر سے جو اپنے بچوں سے جدا کیا جاے —

تیز رفتار گھوڑے کی تشبیه ایسے شاهین سے جس نے میدان میں خرگوش کو دیکھا هو اور درختوں کے جھنڈ میں اُس کے بھاگ کر چھپ جانے سے پہلے اُس کو آلیا هو —

بے صبر آدمی کی تشبیه چتکبری اونٹنی سے جو درد زہ میں مبتلا هو۔ (خیال تھا که اس رنگ کی اونٹنی صابر نہیں هوتی) —

فریب زدہ اور احمق آدمی کی تشبیه اُس شخص سے جو سراب کی لہروں کو دیکھکر اپنی مشک کا پانی بہادے —

زرہ کی تشبیه ایسی جھیل کی سطح سے جس کے پانی کو باد دبور آهسته آهسته حرکت دے —

نیزوں کے پے درپے پڑنے کی تشبیه جلاهوں کے اُس آله سے جسے بروله کہتے هیں اور جسے تھان کے ناهموار تاروں کے برابر کرنے کے لئے تھان پر پھیرتے هیں اور وہ تھان کو خوب کھرچتا اور اُس میں گھس جاتا هے —

جنگجو آدمی کی تشبیه زرد رنگ کے پتلے سانپ سے جو زهر اُگلتا رهتا هے —

چالاک اور پھرتیلے آدمی کی تشبیه کفتار کے بچے سے —

شراب کی صراحیوں کی تشبیه بطخوں سے —

حسین عورت کی تشبیه شعری ستارے سے جو کہکشاں سے گزر رها هو —

شہد کی مکھی برابر هاتھه پر هاتھه مارتی هے جس طرح اُنگلی کٹا آدمی آگ نکالنے کے لئے چقماق کے پتھروں کو ایک دوسرے پر مارتا رهتا هے —

و اور هم ایک دوسرے سے اس طرح دور هیں جیسے فرقدین کے ستارے۔

دنیا اُس پر اس طرح تنگ هوگئی جیسے وہ چھوٹا سا گول گڑھا جس پر

صیاد اپنا جال بچھاتا ہے—

اُن کے ہمسایے آفتوں سے اس طرح محفوظ ہیں جیسے پہاڑی بکریاں جنگلی درندوں سے—

دشمن جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس طرح زور لگا رہے ہیں جیسے کوئی حاملہ عورت بچہ جننے کے وقت کونتھتی ہے—

سردار کے گرد اُس کے محافظ اس طرح گھومتے تھے جیسے دوار بت کے پرستار اُس کا طواف کرتے ہیں—

محبوبہ میرے ساتھ اس طرح شوق سے چلی جیسے لوا پیاس میں چشمے کی طرف لپکتا ہے—

ناظرین ان کنایوں استعاروں اور تشبیہوں پر بھی اگر غور کی نظر ڈالیں گے تو یہ بات اُن پر روشن ہو جاے گی کہ عرب کے شاعروں نے ان میں بھی اپنی ملکی خصوصیات کا لحاظ رکھا ہے-غرضکہ عرب کی شاعری اُن تمام خصوصیات کی ترجمان ہے جو عرب اور اہل عرب سے تعلق رکھتی ہیں-جب تک ہماری زبان کا ادب ہندی شاعری اور عربی شاعری کی طرح ہماری ملکی خصوصیات کا ترجمان نہ ہو گا اُس کو ملکی ادب کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے-ہم نے اپنے قومی اور مذہبی خیالات و روایات کو اپنے ادب میں بھر دیا ہے-اس کا کوئی مضائقہ نہیں ہے-لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم صدیوں سے جس ملک میں آباد ہیں اُس کی خصوصیات کی جھلک ہماری نظموں اور نثروں میں نہیں ہے-ہندوستان میں کونسی ایسی دلربا اور شاندار چیز نہیں ہے جو ہندوستان سے باہر کے ملکوں ہی میں پائی جاتی ہے-یہاں بلند اور شاندار پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہے-یہاں گنجان جنگل ہیں جن میں عجیب اور خوفناک درندے آباد ہیں-یہاں ایسے دلکش سبزہ زار ہیں جن کے منظروں کو دیکھکر انسان اہ اہ کرتا ہے-یہاں ایسے

رنگ برنگ کے پھول ھیں جن کی رنگینیاں قوس قزح کو مات کرتی ھیں۔یہاں ایسے خوش الحان طیور ھیں جن کی راگنیاں روحانی جذبات کو زندہ کرتی ھیں۔یہاں ایسے دریا ھیں جن کے پانیوں کی روانی اور دوانی تخیل کی سطح میں ھلکورے پیدا کرتی ھے۔یہاں ایسی نسلیں آباد ھیں جن کے اسلاف تمدن کی شاندار عمارتیں کھڑی کر چکے ھیں۔یہاں قدم قدم پر حسن ھے، عظمت ھے، رنگینی ھے، دلفریبی ھے۔غرضکہ شاعر مزاج انسانوں کے لئے وہ سامان موجود ھے کہ اگر وہ ذرا کروٹ لیں اور غفلت کی آنکھیں کھول دیں، تو ایک شاندار اور جمیل ادب کی بنیاد رکھہ سکتے ھیں۔ھندؤں نے اب سے پہلے فطرت کے ان منظروں پر نگاہ دوڑائی ھے۔اگر ھم بھی اُسی عینک سے کام لیں تو ھمارا ادب اور ان کا ادب ایک ھوجائے گا اور آج نہیں کل ضرور ھم ایک علم کے سایے میں ترقی کے قدم بڑھائینگے۔مگر اُس وقت کے آنے سے پہلے اپنی غلطیوں اور غفلتوں کی تلافی کرنی ضروری ھے—

پیــــــــــپل

از

(جناب محمد عظمت اللہ خان صاحب بی اے)

اونچے اونچے پھیلے پھیلے فطرت کے پالے پیپل
سرد و گرم زمانہ دیکھے
جتنے مضبوط اُتنے هی پرانے گہری جڑوں والے پیپل
جتنا اوپر اُتنا نیچے

———:o:———

لوں کی لپٹیں تجھکوں جھلستیں آندھیاں دیتی هیں تھپیڑے
اولوں کی چھالیں جاڑوں کے پالے
بادل کی گرج بجلی کی کڑک مینہ کے دھواں دھار دڑیڑے
سب سہتا هے سینہ نکالے

———:o:———

گرمیاں آئیں تیرے پتے سوکھنے پیلے پڑنے لگے
رت کی سختی کیا جھیلینگے
اے لو! پتے سوکھے اپنے آپ هی جھڑنے لگے
پتوں کے نیچے ڈھیر لگینگے

———:o:———

نچی نچائی ننگی اندوری ٹھنٹھہ ہوئی اک اک ڈالی
پت جھڑ نے ہاتھہ یہ پھیرا ہے
ڈراؤنا سا سوکھا سوکھا ڈھچر ترا خالی خالی
ایک رنڈاپا سا چھایا ہے

———:o:———

نوع نے تیری سختیاں جھیلیں اس کا ہی شاید ہے پھل
جنم نیا تو پھر لیتا ہے
ترت ہی تونے کایا پلٹی پیپلیاں ہیں اور کونپل
قدرت کا ایک تماشا ہے

———:o:———

کونپلیں تازی سوئیوں جیسی رنگ وہ دھانی ہلکا سا
اس میں جھلک وہ پیاری پیاری
ٹہنی ٹہنی پیپلیاں ہیں جڑے ہوے نگ ہیں گویا
جان کی ہے اک شعبدہ بازی

———:o:———

دو اک دن میں کونپلیں ساری پتے بنی ہیں کھل کھل کر
ننھے ننھے چکنے چمکتے
پیپلیاں بھی ہو چلیں گدری پکشی آتے ہیں تل تل کر
کھاتے پھدکتے اور چہکتے

———:o:———

چند ہی دن میں بڑھگئے پتے لدی ہوئی ہے ہر ڈالی
جان پڑی ہے رونق آئی

چھاؤں ہے ٹھنڈی روکھہ ہرے ہیں آنکھوں میں کُھبتی ہریالی
ایک دلہن سنوری سنورائی

---:o:---

پتے چکنے چکنے ٹھنڈے ہری بھری ٹہنی ٹہنی
تو ہے اک قدرت کا ڈیرا
پکشی بولیاں بولنے والے دن رات کی تیری بستی
دن کا ٹھکانا رین بسیرا

---:o:---

کوئی بڑا سا تیرا پتا بالک کے ہاتھہ آتا ہے
موڑا اپیٹا ماتھے پہ ٹھونکا
کمر پہ ڈنٹھل باندہ پپیہیا اک خاصا بن جاتا ہے
منہ سے پھونکا اور بول اُٹھا

---:o:---

میری ہستی بھی اے پیپل! تیری سی اونچی گہری ہو
گھنی گھنی پھیلی پھیلی ہو
جان کی سوتوں تک اک اک جڑ گہرائیوں میں پہنچی ہو
آندھیاں جھیلی مضبوطی ہو

---:o:---

سوکھے سکھائے آدہ موے بیدم جھڑ جائیں من کے پتے
آئیں پتے تازے تازے
لے کوئی بیکل روح بسیرا بھٹکا من چھاؤں میں بیٹھے
بچوں کو ہاتھہ آئیں پپیہے

غالب کا فلسفہ

از

(جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی)

مرزا اسد اللہ خان غالب کے حالات زندگی اور شاعری' قریب زمانے کی تاریخ اور اسلامی ہند کی مخلوط تہذیب کا خاصا دلچسپ مرقع ہے - مرزا کے دادا شاہ عالم (ثانی) کی بادشاہی میں سمرقند سے ہندوستان آئے اور اُن کی زبان ترکی تھی - مرزا کی تعلیم فارسی میں ہوئی لیکن مادری زبان اُردو بن گئی! ابتداً اسی زبان میں اُنہوں نے شعر کہنا شروع کیا —

مرزا کے اجداد تلوار کے دھنی' جانباز سپاہی پیشہ لوگ تھے اور شاہ عالم کے آخر زمانے کی لڑائیوں تک ہم انہیں مصروف جنگ و پیکار دیکھتے ہیں - لیکن خود مرزا صاحب کو دیکھئے تو محض ایک ناز پروردہ بزمی امیر زادے ہیں جنہیں میدان رزم کی ہوا بھی نہیں لگی —

اسی طرح مذہبی خیالات اور قومی جذبات میں تغیر نظر آتا ہے کہ مرزا کے بزرگ اور دیگر اہل خاندان تو "ماورالنہری" سنی ہیں مگر خود اُن پر شیعیت غالب ہے اور کچھہ اپنے نومسلم پارسی اُستاد کے فیض تربیت سے اور غالباً کچھہ فارسی تاریخوں کے نامعتبر قصص و روایات پڑھکر وہ ذوق و مزاج کے اعتبار سے خالص ایرانی بن گئے ہیں اور ترک نژاد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو دولت پارسی کا مورث و نوحہ خواں سمجھنے لگے ہیں - جیسا کہ اشعار ذیل سے تراوش ہوتا ہے —

گہر از رایت شاہان عجم بر چیدند | بہ عوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند
افسر از تارک ترکان پشنگی بردند | بہ سخن ناصیۂ فرکیانم دادند
ہرچہ از دستگہہ پارس بہ یغما بردند | تا بنالم ہم از ان جملہ زبانم دادند

حالات و خیالات کی یہ نیرنگی اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ مرزا غالب کو بہت تغیر پسند طبیعت ملی تھی اور عجب نہیں کہ اسی مزاج کی بدولت ان کے کلام میں وہ بو قلمونی پیدا ہوگئی ہو جس پر غالب کے ہر طالب علم کی نظر پڑتی ہے۔یہ خصوصیت دیوان اردو کی نسبت فارسی کلیات میں زیادہ نمایاں ہے اور اس کی غزلیات و قصائد میں کہیں بیدل کی غامض فلسفیت، کہیں عرفی کا شکوہ، حزیں کا تیکھاپن نظر آتا ہے کہیں نظیری کا حکیمانہ حسن بیان اور طالب و ظہوری کی سنجیدہ روانی۔بے شبہ جس طرز پر جو کچھہ کہا ہے وہ اس رنگ میں نہایت خوب ہے لیکن اسی خصوصیت نے مرزا کے دیوان میں ایک خاص تلوع پیدا کر دیا جو معتقدین کے نزدیک تو ہمیں بہت سے اساتذہ متاخرین کے مطالعہ سے مستغنی کر دیتا ہے مگر نکتہ چینوں کی نگاہ میں شاعر کی یہ رنگارنگی خامی کی دلیل ہے اور یہی خیال مفتی صدرالدین خاں آرزو نے ایک موقع پر ظاہر کیا تھا*—

مولانا حالی مرحوم نے طرز بیان کے اس اختلات کی بہت خوبی سے توجیہ کی اور وضاحت سے بتایا ہے کہ ابتدا میں مرزا صاحب نے زمانے کے مقتضی سے بیدل و اسیر کا رنگ اختیار کیا تھا اور یہ اُن کی بڑی ترقی اور سلامتئی طبع بلکہ اجتہاد فکر کی علامت ہے کہ وہ از خود اس راہ کی خرابیوں سے آگاہ ہوے اور اسے چھوڑ کر انہوں نے ظہوری اور نظیری کا تغزل اختیار کیا—

خود مرزا غالب نے اپنے بعض خطوط میں یہی بات لکھی ہے لیکن اس قول

* یادگار غالب

کی سب سے اچھی تصدیق اُن کے اردو دیوان، خاص کر "نسخہ حمیدیہ" کے دیکھنے سے ہوتی ہے کہ ابتدائی زمانے کا کلام تو اس درجہ مغلق اور پیچیدہ ہے کہ بعض شعر بالکل معما بن گئے ہیں مگر بخلاف اس کے، آخر زمانے کے اشعار حسن سلاست کا نمونہ ہیں اور مثال کے طور پر، الف ویا کی ردیف میں آخر عہد کی متعدد غزلیں ایسی موجود ہیں جو لطافت و سادگی میں کسی طرح میر و داغ کے منتخب اشعار سے کم نہیں اور یہ اُس شخص کی یقیناً بڑی تعریف ہے جس نے شاعری اس قسم کے شعروں سے شروع کی تھی کہ:—

خود آرا وحشت چشم پری سے شب وہ بدخو تھا
کہ موم آئینہ تمثال کو تعویذ بازو تھا
غم مجنوں عزا داران لیلیٰ کا پرستش گر
خم رنگ سیاہ از حلقہ ہائے چشم آہو تھا

(نسخہ حمیدیہ صفحہ ۲۹)

لیکن مرزا غالب کے شعر سادہ ہیں یا پیچیدہ، اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی شخصیت کا نقش ہر جگہ متجلی ہے۔ ہر خیال جو نغمہ و صوت کی صورت میں ملفوظ ہوا شاعر کے اوصاف ذاتی اور جذبات امتیازی کا سراغ ہے۔ یہ وہ خصوصیات طبعی ہیں جن سے مرزا کی زندگی اور شاعری ابنائے ملک میں ممتاز ہوئی۔ یعنی اُن کی بلندخیالی، عالی ظرفی، مہر و صداقت، استغنا و خودداری وغیرہ۔ زندگی ہی میں اُن کی مہر و مسالمت ضرب المثل ہوگئی تھی۔ اُن کی شرافت و راستی کے قصے آج تک زبان زد ہیں وہ نہایت فیاض اور عالی حوصلہ طبیعت رکھتے تھے اور گو عملی دنیا میں انہوں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا لیکن عالم خیال میں ان کا ظرف جب کرتا وہ بجلی طلب کرتا جس کی طور کو تاب نہ آئی تھی اور ان کی آنکھ جب چاہتی وہ قطرۂ اشک چاہتی جس نے موتی بننا پسند نہ کیا تھا۔

کلام کی سادگی کے متعلق ایک اور بات بھی قابل گزارش ہے - وہ یہ کہ اگر ہم ان کے اردو کلام کو سامنے رکھیں جس کے تقدم و تاخر کا حال زیادہ یقینی طور پر معلوم ہے تو یہ اندازہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شاعر کی یہ سلاست و سہل گوئی سن و سال کے ہمقدم بڑھی ہے اور طرز سخن کے ساتھ مضامین شعر میں بھی تغیر ہوا ہے - یعنی فلسفیانہ مسائل اور نازک خیالی کے بدلے آخری غزلوں میں زیادہ تر عاشقی اور "معاملہ بندی" کے مضمون آتے ہیں اور نئی ترکیبوں اور عجیب و نادر تشبیہوں کی بجائے عام فہم استعارے اور صرف سادہ اور شستہ الفاظ سے کام لیا گیا ہے- یہ اشعار سلاست کے زیور سے آراستہ ہیں اور سلاست بجائے خود شاعری کی بڑی خوبی ہے-لیکن اسی کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ گو تخیل کی قوت اور بلندپروازی میں کمی نہ آئی ہو، اس کے صرف کرنے میں سن رسیدہ شاعر محنت و کاوش سے ضرور پہلوتی کرنے لگا ہے- اُس کی مثال شاید اس پہلوان کی سی ہے جو فن کشتی کا مشتاق ماہر ہے مگر عمر کے اقتضا سے زور طلب اور گہرے داؤ کرنے سے بچتا ہے اور انہی چند داؤ پیچ سے کام نکال لیتا ہے جو اُسے خوب رواں اور دیکھنے والوں کو مرغوب ہیں —

اس سلسلے میں مجھے مرزا غالب کے سب سے آخری کلام کا خیال آیا- نواب احمد سعید خاں صاحب طالب مرحوم فرماتے تھے کہ مرزا کی سب سے آخری غزل جس کے چندھی روز بعد وہ مرض الموت میں مبتلا ہوے یہ ہے : —

شب وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ
ہوا ہے موجب آرام جان و تن تکیہ

خراج بادشہ چین سے کیوں نہ مانگوں آج
کہ بن گیا ہے خم جعد پر شکن تکیہ

بنا ہے تختہ گلہائے یاسمیں بستر
ہوا ہے دستۂ نسریں و نسترن تکیہ

فروغ حسن سے روشن ہے خواب گاہ تمام
جو رخت خواب ہے پروین تو ہے پرن تکیہ

مزا ملے کہو کیا خاک سانھہ سونے کا
رکھے جو بیچ میں وہ شوخ سیم تن تکیہ

اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر
اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ

ہوا ہے کات کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوے غل پر رکھے دمن تکیہ

بضرب تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
کہ ضرب تیشہ پہ رکھا تھا کوہکن تکیہ

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پہ اے اہل انجمن تکیہ

اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن
اٹھائے کیوں کہ یہ رنجور خستہ تن تکیہ

غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو
ہوئی ہے اس کو مری نعش بے کفن تکیہ

شب فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ " تکیہ کلام "
اب اس کو کہتے ہیں اہل سخن " سخن تکیہ "

ہم اور تم " فلک پیر " جس کو کہتے ہیں
فقیر غالب مسکین کا ہے کہن تکیہ *

غزل میں مرزا صاحب کا خاص انداز نمایاں ہے اور شعر لطف سے بھی خالی نہیں مگر ایک تو ردیف سے کلام میں کچھہ تکلف پیدا ہوگیا دوسرے دو تین کے سوا باقی سب شعر صرف " قافیہ پیمائی " نظر آتے ہیں حالانکہ مرزا صاحب نے اپنی راے کو خود کئی جگہ ظاہر کیا ہے کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں، مضمون آفرین کا نام ہے —

———:o:———

مگر یہاں ہمیں کلام غالب کی خصوصیات پر بحث کرنی نہیں ہے - بہترین قلم یہ خدمت انجام دے چکے ہیں اور یادگار غالب میں اگر جس اعتقاد اور غالب پرستی کے عنصر کی یا اِسے مغربی شاعری سے تکران کی کمی رہ گئی تھی تو اسے ڈاکٹر بجنوری مرحوم کے لاجواب مضمون نے پورا کر دیا ہے - ہم اس موقع پر ایک مختصر تمہید کے بعد صرف " فلسفۂ غالب " کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں - یعنی غالب کے اردو دیوان کی روز افزوں قبولیت دیکھکر ہمیں اس بات پر غور کرنے کا خیال آیا کہ غالب کی تعلیم کیا ہے ؟ اور کس قسم کے خیالات ہیں جنہیں شاعر اپنے سامعین کے دلنشیں کرنا چاہتا ہے ؟

یہ سچ ہے کہ شاعری حکمت و فلسفہ نہیں مگر حکیمانہ اور فلسفیانہ ضرور ہوسکتی ہے - اسے درس کے نصاب میں داخل نہ کیا جاے لیکن لوگوں کے ذوق اور خیالات پر اس کے اثر سے کوی انکار نہیں کرسکتا - شاعری کی تعریف

---

* یہ غزل کسی مشاعرے کے واسطے لکھی گئی اور غالباً اس کے گل دستے میں چھپی بھی تھی - مگر حال میں اسے طالب مرحوم کی قلمی بیاض سے اڈیٹر الہلال نے نقل کر کے اپنے اخبار میں شائع کیا اور اس سے مطبع نظامی بداؤں نے لے کر اپنے نسخہ دیوان غالب کے آخر میں شامل کر دیا ہے —

کرنے میں اہل فکر نے عجیب عجیب موشگافیاں کی ہیں۔انہیں پڑھکر بعض دفعہ مجھے گمان ہوا کہ شاید تعریف کرنے والے سوچتے سوچتے شاعری کی بجائے "بہترین شاعری" کی تعریف کرنے لگے ہیں اور اسی لئے اُن کے بیانات میں سخت اختلاف و پیچیدگی نظر آتا ہے۔ کیونکہ اچھی شاعری کا تصور ہر شخص کے دماغ میں جداگانہ ہے۔ ورنہ میری دانست میں نفس شاعری کی ہمہگیری اس تعریف میں سما سکتی ہے کہ "شاعری حسن بیان کا دوسرا نام ہے!" وہ ہر زبان میں الفاظ کے صحیح اور پر تاثیر استعمال کا مستقل فن ہے اور قواعد عروض۔موسیقی اور تمثل سب سے بے نیاز و آزاد ہے۔یہ چیزیں اس کے لطف و دلکشی میں اضافہ کرتی ہیں مگر اس کا لازمہ نہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو قصائد قآنی کا ثنا خواں و ہت میں اور ٹاگور کی شاعری کا کبھی لطف نہ اٹھائے اور نظیری کا مداح "نہال دمے" سن کر کبھی نہ جھومے—

یہ درست ہے کہ ہر شاعر کی شاعری پر تاثیر و حکیمانہ نہیں ہوتی۔اسی طرح جس طرح ہر نام نہاد واعظ، خطیب اور ہر جبہ پوش درویش صاحبدل نہیں ہوجاتا۔عروض و موسیقی نے شاعری کو صنعت بنادیا ہے اور اکثر نا اہل شعر کہتے اور شاعر سمجھے جاتے ہیں۔یہی رنگ دیکھکر مرزا غالب نے فریاد بلند کی تھی کہ:-

آنکہ صور نالہ در شور نفس موزوں دمید
کاش دیدی کایں نشید شوق، فن خواہد شدن
چشم کور آئینۂ دعوی بکف خواہد گرفت
دست شل مشاطہ زلف سخن خواہد شدن

لیکن اگر مزکورہ بالا تعریف تسلیم ہوتو تاثیر شعر میں کسی گفتگو کی گنجائش نہیں رہتی۔حسن بیان کا جہاد و ہر شخص نے صحبت احباب میں، بازر کی دکان میں، وعظ کی محفل میں، سیاسی جلسوں میں مشاہدہ کیا ہوگا۔ وہ یونانی

حکیم بھی جس نے شعرا کو اپنے خیالی ملک سے قابل اخراج قرار دیا تاثیر شعرا کا منکر نہ تھا بلکہ اس کے برے اثرات سے خوف کھاتا تھا۔ عالم گیر بادشاہ کی طرح جس نے دیوان حافظ کا درس حکماً موقوف کر دیا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ جرمنوں کو دنیا کی نامی گرامی قوم بنانے کے اسباب قوی میں ایک شاعر کا قلم بھی ناگزیر شمار ہے—

———:o:———

یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ مرزا غالب نے مولوی رومی کی طرح رشد و ہدایت کے لئے شاعری کا پیرایہ اختیار کیا تھا لیکن اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ انہوں نے محض تفنن یا عاشقانہ مضامین لکھنے کے واسطے یہ درد سری نہیں اٹھائی اور اکثر اشعار مسائل زندگی پر اُن کے افکار و آرا کا ایک جامۂ خوشنما ہیں۔ ابتدائی کلام سے اس قسم کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:— غزل (۱)

شکوہ و شکر کو سہر بیم و امید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب— دل نہ سمجھ بلا سمجھ

وحشت درد بے کسی بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمر خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

اے بہ سراب حسن خلق تشنۂ سعی امتحاں
شوق کو منفعل نہ کر ناز کو التجا سمجھ

گاہ بہ خلد امید وار گہ بہ جحیم بیمناک
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفت ما سوا سمجھ

ہے خط عجز ما و تو اول درس آرزو
ہے یہ سیاق گفتگو۔ کچھ نہ سمجھ فنا سمجھ

نغمہ ہے، محو سا رہ۔ نشہ ہے، بے نیاز رہ
رند تمام ناز رہ خلق کو پارسا سمجھ

غزل (۱)

قطع سفر هستی و ارارم فنا هیچ
رفتار نهیں بیشتر از لغزش پا هیچ

حیرت همه اسرارپه مجبور خموشی!
هستی نهیں جز بستن پیمان وفا هیچ

تمثال گداز آئینه هے عزت بینش
نظارہ تحیر ، چمنستان بقا هیچ

کس بات په مغرور هے اے عجز تمنا
سامان دعا وحشت و تاثیر دعا هیچ

اسی طرح اس قصیدے کی تشبیب :—

توڑے هے عجز تنگ حوصله بر روے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینه کہیں جس کو " جبیں "

اور یه پورا قصیدہ : ع :—

جو نه نقد داغ دل کی کرے شعله پاسبانی
تو فسردگی نہاں هے بکمین بے زبانی

جو پہلی مرتبه بحالت اصلی نسخه حمیدیه میں چھپے (صفحه ۳۰۱، ۳۰۷) فلسفیانه کلام کا نمونه هیں اور انهیں پڑھنے میں بعض وقت معلوم هوتا هے که گویا شاعر الفاظ کے راگ میں انسانی زندگی پر ایک دلچسپ و عبرت آموز خطبه گا رها هے —

یہی فلسفیت غالب کی قبولیت کا راز هے - فارسی شاعری میں بلند رتبه فلسفیانه کلام کے بہت سے نمونے موجود هیں لیکن هندوستان کے جدید تعلیم یافته جس کی نگاہ سے فارسی ادب محجوب هوتا جاتا هے - اردو زبان میں

کلام غالب کو نادر و مغتنم شے پاتے ہیں۔ سوقیانہ اور فرسودہ مضامین عاشقی کی بجائے انہیں جا بہ جا مشرقی تغزل کے لباس میں ایسے بلند اور حکیمانہ خیالات نظر آتے ہیں جن سے دماغ میں جودت و تازگی اور تخیل میں رفعت اور پرواز کی قوت پیدا ہوتی ہے—

غالب کے فلسفیانہ خیالات کو پرتالنا اس مضمون کا مقصود ہے—

جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا، فلسفہ شعر کو درسی باقاعدگی کی نظر سے جانچنا نہ چاہئے۔ خیال کی دنیا جس میں شاعر مصروف سیر ہے، حقیقی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ حیران ساز ہے اور بلند فکر شعرا میں بہت کم ایسے ہیں جو کسی خاص نقطے کو اپنا مطمح نظر بنا سکے ہوں ورنہ جس طرح دماغ شاعر متضاد افکار و اوہام کا مہبط ہے اسی طرح کلام شاعر میں بھی بالکل مختلف جذبات اور متبائین خیالات نظر آتے ہیں۔ مرزا غالب کی شاعری اس عام قاعدے سے مستغنیٰ نہیں۔ پھر بھی غور کرنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسائل زندگی پر اُن کی رائے کیا ہے اور وہ خیال کی کن کن منزلوں سے گزری ہے۔ چنانچہ اگر ہم ان خیالات کو بطور خود چند مدارج میں مرتب کرنا چاہیں تو پہلی منزل کو شوق تماشا سے منسوب کرسکتے ہیں جس میں شاعر نہایت اشتیاق کے ساتھ صحیفۂ حیات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہے۔ یہ شوق کچھ عرصے کے بعد تحیر و گم گشتگی سے بدل جاتا ہے اور آخر میں اسے معلوم ہوتا ہے اس دید و تماشا کا حاصل کچھ نہ تھا۔ یہ گویا سالک راہ کی تیسری منزل تھی اور اس سے آگے بڑھنے میں اس پر ایک خاص قسم کا ہیجان و اضطراب طاری ہوتا ہے کیونکہ اگلی منزل محض یاس و تاریکی کا عالم ہے جہاں شاعر پر دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی بے حقیقتی پوری طرح آشکار ہوجاتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ عالم تسلیم و فنا میں آجاتا ہے جو اگرچہ عشق کی معراج اور نہایت دلکش مقام ہے

لیکن انسان کو جیتے جی مردہ اور معطل کر دیتا ھے-اسی لئے اھل ھمت یہاں سے بھی ترقی یا رجوع الی البقا کرتے ھیں اور اسی بے بود اور محدود زندگی کو طلب صادق میں گزارنا مقصود حیات سمجھتے ھیں-مطلوب حقیقی کی طلب و تلاش کا سب سے آخری مرتبہ وہ ھے جسے صوفیہ کی اصطلاح میں وریٰ الوریٰ کہتے ھیں اور حسن ظن چاھتا ھے کہ غالب کا تصور اس مقام بلند تک پہنچا ھو جہاں طالبان شہود کو عجز ادراک کا ادراک ھوا ھے مگر بہتر ھے کہ اس کا فیصلہ خود ارباب فہم کی راے پر چھوڑ دیا جاے—

———:0:———

ا - شوق تماشا

دشت و چمن میں طرح طرح کے غنچے کھلتے دیکھکر غالب کو یہ سبق ملا ھے کہ ھر آنکھہ' خواہ اس کی صلاحیت کچھہ ھی ھو' کھولنے اور دیکھنے کے لئے عطا ھوئی ھے

بخشے ھے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب

چشم کو چاھئے ھر رنگ میں وا ھو جانا

پھر' باغبان قدرت نے جو رنگیں بساط دنیا میں بچھای ھے وہ اس قابل ھے کہ خود مہر و ماہ اس کا تماشا کریں اور گل نرگس دیدۂ بینا بن جاے:—

پھر اس انداز سے بہار آئی — کہ ھوے مہر و ماہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک — اس کو کہتے ھیں عالم آرائی

کہ زمیں ھوگئی ھے سر تا سر — روکش سطح چرخ مینائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے — چشم نرگس کو دی ھے بینائی

———

یہ بہار آفرینی اور عالم آرائی جہاں بلبل کے بدنما پر کو لہلہاتا چمن بنا دیتی ھے وھیں شوق دید اور قوت سیر پیدا کر دینا بھی اس کا خاصہ ھے—

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغاں، پر بلبل گلزار

آغوش گل ہے آئینۂ ذرہ ذرہ خاک
عرض بہار، جوہر پرواز ہے مجھے

اور اس ذوق شوق کے طفیل شاعر کو مٹی کا ہر تودہ حسن مجسم اور خاک کا ہر ذرہ نگاہ محبوب کی چمک نظر آتا ہے—

طاوس خاک، حسن نظر باز ہے مجھے
ہر ذرہ چشمک نگۂ ناز ہے مجھے

اپنے شوق کی اتنی ہمہ گیری اور دور رسی پر خود صاحب شوق کو تعجب ہے اور وہ اپنے جذبات کو کسی اور نفس کلی کی کارفرمائی سمجھنے پر مائل ہے—

جام ہر ذرہ ہے سرشار تمنا مجھسے
کس کا دل ہوں کہ دوعالم سے لگایا ہے مجھے

لیکن شوق دید کی خوبی اور صداقت یہ ہے کہ دیکھنے والا غور و تدبر کی صلاحیت پیدا کرکے اس چمن میں آئے جہاں کا ہر پتا صحیفۂ کاینات کا پر معنی ورق ہے—

بے چشم دل نہ کر ہوس سیر لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورق انتخاب ہے

اس مضمون کو مرزا نے اور بھی کئی جگھہ بیان کیا ھے کہ اگر انسان غفلت و خود پسندی میں مبتلا نہ رھے تو گھانس کے ھر پتّھے میں صنعت ایزدی اور پتھر کے ھر ٹکڑے میں خود صانع کا ظہور جلوہ نما ھے:—

غافل بوھم ناز خود آرا ھے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرۂ گیاہ کا

اے واے غفلت نگہہ شوق ورنہ یاں
ھر پارہ سنگ، لخت دل کوہ طور تھا

مرزا اس بات سے نا واقف نہیں کہ ارباب شوق کو بعض اوقات اپنے مقصد میں سخت نا کامی ھوئی ھے لیکن وہ اس سے بد دل نہیں ھوتے-اُن کے نزدیک چشم بصیرت کو کُل کا مشاھدہ کرنے کے لئے ایک جزو کا دیکھہ لینا کافی ھے—

کیا فرض ھے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ھم بھی سیر کریں کوہ طور کی

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ھوا دیدۂ بینا نہ ھوا

———:o:———

۲-عالم تحیر و گم گشتگی

لیکن شوق تماشا جب اس طرح با معنی اور بالمقصد ھو جاے تو پھر سالک کو بہت دن عالم حیرت میں رھنا پڑتا ھے کیونکہ فطوت کے ازلی اور عالمگیر حسن کے رموز سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ھے—

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا

سراغ آوارۂ عرض دو عالم شور محشر ہوں
پر افشاں ہے غبار آنسوے صحراے عدم میرا

یعنی طالب تلاش حقیقت میں بھٹکتے بھٹکتے عدم کے پار پہنچ گیا ہے اور وہاں بھی بصورت غبار ہاتھہ پاؤں مار رہا ہے-یا اُس کی مثال شمع کی سی ہے جو کسی کی جستجو میں ہر طرف رخ کئے کھڑی جل رہی ہے مگر اُسے کہیں نہیں پاتی—

شمع ہوں لیکن بہ پا در رفتہ خار جستجو
مدعا گم کردہ ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

خود حیرت کی مرزا نے لباس جسمانیت میں عجیب و غریب تصویر کھینچی ہے کہ وہ ایک دیوانہ ہے جسے شوق نظارہ نے مقید کر رکھا ہے اور اسی لئے وہ زنجیر جس میں اسے جکڑا ہے چشم تماشائی کے حلقوں سے بنی ہے—

وحشی خو کردۂ نظارہ ہے حیرت جسے حلقۂ زنجیر جز چشم تماشائی نہیں

اس طلسم حیرت میں جہاں حقایق و معارف کی تجلی گردش ساغر کی طرح پیہم و متصل ہے، سالک زندگی کا مقصود ہی حیرانی کو سمجھنے لگتا ہے—

گردش ساغر صد جلوۂ رنگیں تجھسے آئینہ داری یک دیدۂ حیراں مجھسے

یہاں تک کہ تمام کائنات دل مبہوت کی مثل جلوۂ حقیقی کی جستجو میں "آئینۂ حیراں" نظر آنے لگتی ہے-:ع:

از زرہ تابہ مہر دل و دل ہے آئینہ

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ ، فرش شش جہت انتظار ہے

یہ وہ مقام ہے جہاں اہل باطن کے نزدیک اکتساب و کوشش کے پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں اور جس سے آگے جانا بجز تائید غیبی اور توفیق الٰہی کے ممکن نہیں۔ یہاں سالک پر ایک قسم کی سراسیمگی اور مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے —

حیرت حجاب جلوہ و وحشت غبار راہ
پائے نظر بہ دامن صحرا نہ کیجئے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

یہ اور اسی قبیل کے اشعار جن کی بنا پر بجنوری مرحوم نے غالب کو گروہ مشککین میں شامل کر دیا ہے میری دانست میں اسی عالم حیرت کے واردات ہیں جہاں تمثال تماشا کی فراوانی نے تماشائی کو اس قدر متحیر و مبہوت کر دیا ہے کہ اسے اپنے عجز و شرمندگی کا اظہار کرنے کی بھی قوت باقی نہیں رہی —

تمثال تماشا ہا اقبال تمنا ہا عجز عرق شرم ہے اے آئینہ حیرانی

اور اس عالم سے جب کہ اوپر اُٹھایا جا رہا ہے، اس وقت بھی سالک کی راے تردد و شک سے خالی نہیں ہے —

میں ہوں اور حیرت جاوید، مگر ذوق خیال
بہ فسون نگہ ناز ستاتا ہے مجھے

۳-حاصل بے حاصلی

اس حیرت و پریشانی سے نجات اس وقت ملتی ہے جب یہ ظاہر ہو جاے کہ دید و تلاش بے سود اور اس کا نتیجہ ہیچ ہے-لوگ جسے منزل پر پہنچنا سمجھے ہیں اصل میں وہ تھک کر بیٹھ رہنا ہے-ورنہ منزل مقصود ہی موہوم ہے تو اُس تک کسی کی رسائی کیونکر ہو—

"رسیدن" گُل باغ واماندگی عبث محفل آراے رفتار ہیں ہم

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھسے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھسے

دوسرے شعر میں اشارہ نکلتا ہے کہ خود وہ منزل مشتبہ ہے جس کی تلاش میں یہ تگ و دو ہو رہی تھی اس لئے اس مقام پر دنیا کی ہر دلکش اور قابل تماشا شے بیکار و بے معنی، بے نظم اور بے تکی نظر آتی ہے-انسانی ہستی ایک پیچ در پیچ طومار ہے جس کا کوئی مدعا نہیں اور فصل بہار چند عناصر کا مجموعہ ہے جس میں وحشت و پریشانی کے سوا کوئی اتحاد و رابطہ نہیں:—

نہ ہو وحشت کش درس سراب سطر آگاہی
میں گرد راہ ہوں بے مدعا ہے پیچ وخم میرا

ربط یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزاے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا

خلاصہ یہ کہ ہماری سیروتلاش اور جس شے کی سیروتلاش میں تھے وہ

سب ہیچ اور خواب وخیال ہیں—

تھا خواب میں خیال کو تجھسے معاملہ
جب آنکھہ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

یہی وہ قیام ہے جہاں پہنچ کر سیر و تماشا جس کا وہ کچھہ شوق لےکر چلے تھے' دیوانہ پن معلوم ہونے لگتا ہے اور آنکھہ کا کھلنا اور بند ہونا تازیانہ ندامت کا کام دیتا ہے—

زبس کہ مشق تماشا جوں علامت ہے
کشاد وبست مژہ سیلئی ندامت ہے

مرزا صاحب اہل غفلت کے حال پر' جنہیں پہلے طعن دیتے تھے اب رشک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اُن سے اچھے ہیں جو جو ہوشیار ہوے مگر دنیا کی آگہی سے پریشانی کے سوا کچھہ نہ پایا—

رشک ہے آسایش ارباب غفلت پر اسد
پیچ و تاب دل نصیب خاطر آگاہ ہے

اسد' جمعیت دل در کنار بیخودی خوشتر
دوعالم آگہی ساماں یک خواب پریشاں ہے!

بے حاصلی کا احساس' یاس و نومیدی کا آغاز ہے- لیکن اس موقع پر شاعر کے دل میں غیریت کا ہیجان پیدا ہوتا ہے کہ کہیں اس مایوسی کو شوق کی کمی' اور اظہار یاس کو اس کی کم ظرفی پر محمول نہ کیا جاے چنانچہ جابجا صداقت و افراط شوق کا دعوی کرتا ہے اور اپنی قوت ضبط اور عالی

طرفی کو بار بار جتاتا ہے۔ ان مضامین کو جس جوش کے ساتھ مرزا غالب نے لکھا ہے، اسے یقیناً ہر غالب شناس جانتا ہوگا۔ مختصر طور پر اتنا لکھنا کافی ہے کہ مرزا کا معیار عشق بہت بلند ہے۔ عشاق کی ساری تاریخ میں وہ صرف قیس عامر کو عشق میں کامل اور منتخب سمجھے ہیں ورنہ خضر و موسیٰ علیہما السلام اور منصور و فرہاد سب کی قابلیت عشق میں انہیں کلام ہے وہ اپنے ظرف کی وسعت اور شوق کی تشنگی کو خلیج ساحل سے تشبیہ دیتے ہیں جس میں بے تکلف سمندر سما جائے —

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

انہیں شکایت ہے کہ وہ بجلی جس کی طور کو تاب نہ آئی تھی اُن پر کیوں نہ گری —

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

لیکن اس عالی ظرفی کے باوجود دل میں شوق کا جو طوفاں برپا ہے وہ ضبط کے پردے میں چھپائے نہیں چھپ سکتا بلکہ جس طرح سمندر کی موجیں ساحل کی گود یوں تک پہنچ کر بے اختیار اُچھل جاتی ہیں اور طوفان کا حال کھل جاتا ہے اسی طرح وہ تلاطم جو سینے کے اندر بپا ہے پھیلتے پھیلتے جسم کی بالای سطح تک پہنچتا اور "زخم نمایاں" کی صورت میں سامنے آجاتا ہے —

ذوق سرشار سے بے پردہ ہے طوفاں میرا
موج خمیازہ ہے ہر زخم نمایاں میرا

دوسرے، آخر تک ضبط کا قائم رہنا، افراط شوق کے منافی ہے اور وہ گریبان جس کا چاک سلامت رہ گیا، گویا ایک ناشگفتہ پھول ہے جسے

غنچے کی صورت میں مقید و مجبور کر دیا گیا ہو—

چاک گریباں کو ہے ربط تامل ہنوز
غنچے میں دلتنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

غم عشق کی دائمی آتش کو دل جیسی نازک چیز میں چھپانا محال، اور اگر کبھی بتقاضاے بشریت دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاے تو یہ خطا قابل معافی ہے—

لپٹنا پرفیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دلمیں سوز غم چپانے کی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

۴-عالم یاس و نو امیدی

اس عذر معذرت کے بعد کامل یاس کا اظہار شروع ہوتا ہے اور بزم حسن و عشق کی ناپاے داری پر شاعر اس طرح راے زن ہے کہ:-

بزم داغ طرب و باغ کشاد پر رنگ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

یک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل
گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

دنیا کی تمام خوشیاں محض عارضی اور قابل مضحکہ ہیں—

ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل
یک جہان زانو تامل در قفائے خندہ ہے
جائے استہزا ہے عشرت کوشئی ہستی اسد
صبح و شبنم فرصت نشو و نما خندہ ہے

زندگانی نہیں پیش از نفس چند اسد
غفلت آرامی یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

تنگنائے دہر میں خوشدلی کی خفیف سی ہوس فوری خرابی کا سامان ہے۔

برہم ہے بزم غنچہ بہ یک جنبش نشاط
کاشانہ بسکہ تنگ ہے غافل ہوا نہ مانگ

اس مقام پر نفس انسانی کی کمال بے حقیقتی آشکار ہوتی ہے۔ مرزا اپنی ہستی کو صدا سے تشبیہہ دیتے ہیں جو بلند ہوتے ہی فضا میں معدوم ہوجائے۔ پھر یہ صدا بھی گویے کی تان یا رباب کے تار کی آواز نہیں، جس میں فی الجملہ دلکشی پائی جائے بلکہ — فقط ٹوٹنے اور ختم ہونے کی آواز ہے —

نہ گُل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

ہستئی مایوس کی مرزا کے تخیل نے جو تصویریں اتاری ہیں، اُن پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی آدمی سناٹے میں آجاتا ہے:—

سراپا یک آئینہ دار شکستن
ارادہ ہوں یک عالم افسردگاں کا

همہ نا امیدی همہ بد گمانی
میں دل ہوں فریب وفا خوردگان کا
بصورت تکلف، بہ معنی تاسف
اسد میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا

آخر غور کرتے شاعر حکمائے رواقیہ کے اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کہ ہستی کا مقصود ہی نیستی ہے۔یہ کہنا کہ جو چیز وجود میں آئی فنا ہوگی بیان کی غلطی ہے کیوں کہ وجود میں آنا بجائے خود ناقص و نا تمام فعل ہے جب کہ اس کا پورا ہونا فنا پر موقوف ہو۔اسی لئے خود زندگی کی سرگرمی دیکھکر مرزا کو یقین ہوتا ہے کہ یہ فناکی تیاریاں ہیں:۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

کار گاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

محیط دہر میں بالیدن، از ہستی گزشتن ہے
کہ یاں ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

آفرینش کے تمام اجزا زوال پذیر ہیں۔یہاں تک کہ چشم حقیقت بیں کو سورج کا عظیم کرۂ آتشیں محض ایک ٹمٹماتا دیا نظر آتا ہے جو ہوا کے جھونکوں

میں بجھنے کے لئے رکھدیا گیا ہو—

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہ گزار باد یاں

اسی لئے مرزا صبح کے طلوع کو فقط شام ہونے کے آثار میں شمار کرتے ہیں—

صبح سے معلوم آثار ظہور شام ہے غافلاں! آغاز کار آئینۂ انجام ہے

———:o:———

۵-مقام تسلیم و فنا

طالب حقیقت کے عالم مایوسی سے نکلنے کی عجیب راہ یہ پیدا ہوتی ہے کہ اُن چیزوں کی طرف سے جن کی بے حقیقتی منکشف ہوئی تھی اس کا دل ہی سرد ہو جاتا ہے —

تن بہ بند ہوس در نہ دادہ رکھتے ہیں
دل زکار جہاں اوفتادہ رکھتے ہیں

اس "دل افتادگی" کے طفیل یاس جاوداں کو برداشت کرنے کی مشکل حل ہو جاتی ہے—

بہ فیض بے دلی نومیدی جاوید آساں ہے
کُشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

اور سالک کو یاس و نا مرادی میں ایسی مستقیم دلجمعی کا لطف آتا ہے جو امید خام کے طوفان میں ممکن نہ تھا کیوں کہ صرف کامل یاس کی حالت میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے خوش دل و مطمئن پاتا ہے—

خاک بازئی اُمید کار خانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا

وحشت اگر رسا ہے، بے حاصلی ۱۵۱ ہے
پیمانۂ ہوا ہے مشت غبار صحرا۔

پس یہاں اگر اسے کوئی خواہش ہوسکتی ہے تو یہ کہ وہ دل ملے جس میں کسی خواہش کا گزر نہ ہو—

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

یہ کامل تعطل کا مقام ہے جہاں رفتہ رفتہ امید و نا امیدی کی بحث ختم ہوجاتی ہے اور ہر قسم کی آرزو موجب زحمت و تعب محسوس ہوتی ہے:—

چہ امید و نا امیدی، چہ نگاہ و بے نگاہی
ہمہ عرض نا شکیبی ہمہ ساز جانستانی
اگر آرزو ہے راحت تو عبث بخوں طپیدن
کہ خیال ہو تعب کش بہ ہوائے کامرانی
شر و شور آرزو سے تب و تاب عجز بہتر
نہ کرے اگر ہوس پر غم بے دلی گرانی

بہ بیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ
تجھے کہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

اس حال میں شوق تماشا ایک گناہ معلوم ہوتا ہے اور نہ گریباں آرائی کا ذوق باقی رہتا ہے نہ دامن دری کی شکایت:—

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا! گنہگار ہیں ہم!
نہ ذوق گریباں نہ پروائے داماں
نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

یہاں دل بے مدعا کو غم و عشرت دونوں یکساں مقبول ہیں: —

غم و عشرت قدمبوس دل تسلیم آئیں ہے
دعائے مدعا گم کردگان عشق "آمیں" ہے!

یہ تسلیم اس علم و یقین کی بنا پر ہے کہ وہی مختار حقیقی جس کے ہاتھہ میں اسباب راحت و کامیابی ہیں، بندہ نامراد کا بھی اصلی مالک و خبر گیراں ہے اور مناسب حال سمجھتا تو اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کیا دیر لگتی۔ اس عارفانہ مضمون کو مرزا غالب نے جس بلیغ استعارے میں ادا کردیا وہ شاعری کا اعجاز ہی۔ فرماتے ہیں —

اسد سودائے سرسبزی سے ہے تسلیم رنگیں تر
کہ کشت خشک اُس کا ابر بے پروا خرام اُس کا!

پھر یہ کہ جس "ساقی" سے معاملا پڑا ہے اس کی شان اتنی بلند و ارفع ہے کہ جب تک یہ عبد ذلیل بالکلیہ اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کردے اس کے ساتھہ کوئی "سودا" ہو نہیں سکتا۔ بہ الفاظ دیگر، کامل تسلیم کے سوائے طالب و مطلوب حقیقی عزاسمہ میں اور کوئی سبیل ربط کی ممکن نہیں ہے —

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر، متاع دستگرداں ہے

عالم تسلیم میں عشق مزاجی کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا لیکن مطلوب سے ملنے کی آرزو شوق فنا پیدا کر دیتی ہے۔ طالب حصول فنا کے لئے بیتاب ہے اور اسے اپنی معراج خیال کرتا ہے—

ڈھونڈے ہے اُس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

ع: عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا!

بزرگان صوفیہ نے فنا کو عشق کا ایک مرتبہ شمار کیا ہے اور اس کی جیسی تفصیل وتشریح کی ہے اس کے مقابلے میں مرزا کا بیان ادھورا ہے مگر فنا کی تعریف میں اسے کائنات کے متبائن و منتشر اجزا کا واحد ذریعہ اتحاد قرار دینا، غالباً مرزا کی اپنی تلاش و مضمون آفرینی ہے—

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا!

پھر مرزا کہتے ہیں کہ نقائص طبعی کی پردہ پوشی بغیر فنا کے اور کسی طرح ممکن بھی نہ تھی—

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

—:o:—

۶- رجوع الی البقا

نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تاب رنج نومیدی
کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے!

درجۂ فنا کو جو راہ سلوک میں حاصل ہوتا ہے اگر دوام ہو تو انسان کی زندگی بیکار و معطل ہو جائے اور ترک دنیا یا رہبانیت اختیار کئے بغیر کوی چارہ نہ رہے حالانکہ اس طرح خود روحانیت کی تکمیل نہیں ہوسکتی کیونکہ زندگی میں روح وجسم کا تعلق خوشبو اور پھول کا سا ہے کہ جب تک قوانین فطرت کے مطابق پھول کو پورا نشوونما اور بالیدگی نہ حاصل ہوگی، اس میں پوری مہک نہ آے گی، اسی لئے آگے چل کر مرزا فنا کو طلب صادق کا وسطی مرحلہ تجویز فرماتے ہیں—

تھی نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ "بقا بعد فنا" یا مرتبۂ فنا سے گزرنے کے بعد کی زندگی، عالم فنا سے بھی زیادہ دشوار ہے اور اسی مجبور ومقید زندگی میں، مطلوب اصلی کی دھن میں رہنا عشق، بلکہ ایمان کا کمال ہے جسے لوگ جنون تعبیر کرینگے- شاید اسی حالت کو مرزا ایک عجیب تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں جس سے بہتر خیال میں نہیں آتی—

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

یہاں یہ حقیقت نہایت صفای سے شاعر کے ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ اگر کو انسان کی طول طویل کوشش و آرزو کا نتیجہ دنیا میں بہت ہی خفیف و حقیر

میسر آتا ہے یا بالکل نہیں آتا، بایں ہمہ اس کی فطرت صحیح کا مقتضی ہی یہ ہے کہ تھکے جاے اور کوشش کئے جاے: —

باعث واماندگی ہے عمر فرصت جو مجھے
کر دیا ہے پابہ زنجیر رم آہو مجھے

اسی لئے مرزا تاکید کرتے ہیں کے اگر اصلی حاصل دستیاب نہ ہو تو بھی مایوس و بے کیف ہو کر انتظار سے ہاتھہ اٹھانا نہ چاہئے —

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

۷- مقام وری الوری

مرزا غالب وحدت وجود کے قائل ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے اسلامی تعلیم کے اثر سے کبھی کبھی انکا فکر بلند مقام "وری الوری" تک رسا ہو جاتا ہے - واضح رہے کہ یہاں بعض بزرگان باخدا کے ان کلمات سکر کا ذکر نہیں ہے جو کبھی کبھی کمال محویت واستغراق کی حالت میں مجذوبانہ ان کی زبان سے نکل گئے ہیں اور ان سے اتحاد وعینیت کی بو آتی ہے - بلکہ یہاں ہماری مراد اس نظری فلسفے سے ہے جس کے ماننے والوں میں قدیم ہند ویونان کے حکما، مصروشام کے مسیحی اور بعد کے مسلمان فلاسفہ، دھری و لادری، مذھبی اور ملاحدہ سبھی قسم کے حضرات شامل ہیں اور نئے نئے پیرایوں میں اس مطلب کو ظاہر کرتے ہیں کہ مخلوقات ذات خالق سبحانہ وتعالے شانہ ہی کی ایک دوسری صورت یا "شئونات" ہیں - یہ سارا فلسفہ عجیب قیاسات و مفروضات نیز متضاد دلائل پر مبنی ہے جن کی بظاہر نہ کوی معقول توجیہ ہو سکتی ہے نہ یقینی تصدیق - اور اگر طالب علم مصطلحات کے رعب میں نہ آے تو عجیب نہیں

کہ ارباب وحدت وجود کے تصویر خدا اور ہیولیٰ میں کچھہ زیادہ فرق نہ رہے۔ نعوذ باللہ من ذالک —

مرزا غالب کے ہاں بھی اس مضمون کے شعر جا بجا آتے ہیں —

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج حباب میں

اصل و شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

مرزا غالب منصور کے دعوی "انا الحق" کے دل سے قائل ہیں لیکن اس کا اظہار کرنا ان کے نزدیک عالی ظرفی کے خلاف ہے —

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفئی منصور نہیں

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ؟

اے ندا گوے انا الحق ترا دعوی حق ہے
لیک دستور نہیں قطرے کو دریا کہنا

لیکن جیسا کہ ہم نے لکھا ہے ان کی عقل سلیم بعض اوقات "عجز ادراک" کی انتہائی منزل تک پہنچتی ہے اور وہ مطلوب حقیقی کے ماورائے ادراک ہونے کا صاف صاف اعترات کرتے ہیں —

ع: ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود

اور جوش میں آکے کہتے ہیں کہ دید کی یہی نارسائی تو تھی جس نے طالب دید کی چشم نظارہ طلب کو جلا دیا —

ناکامئی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوی!

پس حضرت حق سبحانہ کا جلوہ مطلوب ہے تو اسے ہمیشہ عقل و علم انسانی کے ماوریٰ ڈھونڈنا چاہئے کہ "ہر چہ در دید و دانش سے آید مقیدست و از صرافت اِطلاق متنزل - و مطلوب آنست کہ از جمیع قیود منزہ و مبریٰ باشد - پس ماورائے دید و دانش او را باید جست - ایں معاملہ ورائے طور نظر عقل ست چہ عقل ماورائے دید و دانش را جستن محال مے داند راز درون پردہ ز رنداں مست پرس الخ" *—

مرزا نے اس نکتے کو جس شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے —

خبر، نگہ کو، نگہ، چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے!

——:o:——

یہ ایک سرسری تبصرہ تھا مرزا غالب کے فلسفیانہ خیالات کا، جنہیں ہم نے اس عہد کے متصوفانہ عقائد کو مدنظر رکھکر کہ ایک خیالی ترتیب میں مرتب کرنے کی کوشش کی اور کلام کے تقدم وتاخر کا ایک حد تک لحاظ رکھا ہے - مجموعی طور پر دیکھئے تو یہ خیالات قوائے عملی کو مضمحل کرنے والے، یاس فزا اور حوصلہ شکن ہیں اور مسلمانوں کے عہدانحطاط کی یاد دلاتے ہیں - اسی بنا پر ہمارے ایک فاضل دوست ایک مرتبہ غالب و حافظ کا محاکمہ کرتے وقت فرماتے ہیں کہ حافظ زندگی کی مصائب و مشکلات کو چٹکیوں میں اُڑاتا ہے مگر غالب ان سے مغلوب ہو گیا ہے! یہ رائے غلط نہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ غالب

* مبدء ومعاد - لحضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

کی یہ مغلوبیت کسی نادان وہم پرست یا بزدل پست ہمت کی مغلوبیت نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کی جس نے مسائل حیات پر عرصۂ دراز تک غور کیا اور دنیاوی زندگی اور مساعی کو نہایت پائدار اور بے حقیقت پایا ہے۔ مزید برآں ماننا پڑے گا کہ شاعر کا طبعی جوش اور زندہ دلی اُس پژمردگی کا، جو اُس کے فلسفیانہ افکار و آرا سے پیدا ہوتی ہے بہت اچھا مصلح ہے—

اجتماعی یا قومی زندگی کے معاملے میں مرزا غالب کی شاعری صفر ہے انہیں ملک و ملت سے بتقاضائے انسانیت محبت و ہمدردی تھی۔ دلی کی عبرت ناک تاراجی اور نام نہاد بادشاہی کے خاتمے سے بھی یقیناً اُن کو دلی صدمہ ہوا ہو گا لیکن نہ وہ اتنے مذہبی آدمی تھے کہ محض انگریز "کفار" کا استیلا ان کے دل میں جذبۂ جہالت کی گُدگُدی پیدا کرتا۔ نہ ایسے سیاسی مفکر کے اپنے ابنائے ملک سے بلند ہو کر کسی قومی اور ملکی حکومت جمہوری کا خواب دیکھتے اور نہ اتنے نادان قدامت پرست کہ اپنے زمانے کی مغلیہ بد نظمی کو انگریزی کمپنی کی باقاعدہ حکومت پر ترجیح دیتے۔ ذاتی طور پر ان کا حال بھی انہی ہندوستانی امرا کا سا تھا جن کی اغراض نے انہیں شروع سے انگریز حکام کے دامن دولت سے وابستہ کر دیا تھا۔ پس جن حضرات نے مرزا کے اشعار میں کسی قومی تعلیم کی جھلک دیکھی یا انہیں کسی وطنی جذبے کی بنا پر اجانب کی حکومت سے برگشتہ و بد دل سمجھا ہے یہ محض ان کا حسن توہم اور بے گناہ مرزا پر اتہام ہے جس کی فی الواقع کوئی بنیاد نہیں فقط

ضمیمہ

جس زمانے میں انجمن ترقی اُردو نے دیوان غالب کا ایک عمدہ نسخہ طبع کرنے کا ارادہ کیا تو راقم الحروف نے مختلف ذرائع سے مرزا غالب کا

غیر مطبوعہ کلام بھی جمع کیا تھا۔اس میں سے بعض اشعار تو بھوپال کے نسخۂ حمیدیہ کے ساتھہ چھپ گئے اور بعض غزلیں اور قطعات بداونی نسخے میں شامل کر لئے گئے ہیں۔لیکن ان کے علاوہ چند قطعے اور غزلیں میرے پاس موجود ہیں جو کسی مطبوعہ دیوان میں ابھی تک مندرج اور شایع نہیں ہوئی ہیں چونکہ اب انجمن کی طرف سے کسی نئے نسخے کے طبع کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اب اس باقی ساقی کلام کو انجمن کے رسالے میں چھاپ دیا جاے تاکہ آئندہ جو صاحب دیوان طبع کریں وہ اگر چاہیں تو اس کلام کو بھی شامل کر لیں جو غالباً مرزا صاحب کے آخری زمانہ کی یاد گار ہے اور اسی لئے ان کے مطبوعہ دیوان میں چھپنے سے رہ گیا—

غزل (۱)

آپ نے "متنبی الفر" کہا ہے تو سہی
یہ بھی یا حضرت ایوب گلہ ہے تو سہی

رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ بیٹھوں کیوں کر
ذھن میں خوبی تسلیم و رضا ہے تو سہی

ہے غنیمت کہ بہ اُمید گذر جاے گی عمر
نہ ملے داد مگر روز جزا ہے تو سہی

دوست ہی کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ گری
نہ سہی لیک تمناے دوا ہے تو سہی

غیر سے دیکھئے کیا خوب نباہی اس نے
نہ سہی ہم سے، پر اس بت میں وفا ہے تو سہی

نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں
کچھہ نہ کچھہ روز ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

کبھی آجاے گی کیوں کرتے ہو جلدی غالب
شہرۂ تیزیِ شمشیر قضا ہے تو سہی

(اس زمین میں دو غزلہ نسخہ حمیدیہ میں پہلی مرتبہ چھپا ہے لیکن ذیل کی غزل ان دونوں کے علاوہ ہے)

غزل (۲)

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشت غم میں آہوے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ گہ اشک چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بس کہ تلخیِ غم ہجراں چشیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھکو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں نے دام چیدہ ہوں

جو چاہئے نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسف بقیمت اول خریدہ ہوں

ہر گز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلام نغز و نۓ نا شنیدہ ہوں

اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں*

———:o:———

۳-قصیدہ تہنیت بتقریب سالگرہ مہاراجہ الور

گنتی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گرہ
ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ
گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار
ہوا کرے گی ہر اک سال آشکار گرہ
یقین جان برس گانٹھ کا جو تاگا ہے
یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ
گرہ سے اور گرہ کی اُمید کیوں نہ بڑھے
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ
دکھا کے رشتہ کسی جوتشی سے پوچھا تھا
کہ دیکھ کتنی اُٹھا لاے گا یہ تار گرہ
کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنی ہیں نو گرہیں
جو یاں گنیں گے تو پائیں گے نو ہزار گرہ
خود آسماں ہے مہاراجہ راو پر صدقے
کرے گا سینکڑوں اس تار پر نثار گرہ
وہ راجہ راو بہادر کہ حکم سے جن کے
رواں ہو تار پہ فی‌الفور دانہ وار گرہ

---

* یہ صائب کے مشہور شعر کا گویا اُردو ترجمہ ہے—
چوں سگ گزیدۂ کہ نخواہد کہ آب دیہ
آئینہ می گزد من مردم گزیدہ را

انھی کی سالگرہ کے لئے ھے سال بہ سال
کہ لائے غیب سے غنچوں کی نو بہار گرہ

انھی کی سالگرہ کے لئے بناتا ھے
ھوا میں بوند کو ابرتگرگ بار گرہ

انھی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ھے
کہ ھو گئے ھیں گہر ھائے شاھوار گرہ

انھی کی سالگرہ کے لئے ھے یہ توقیر
کہ بن گئے ھیں ثمر ھائے شاخسار، گرہ

سن اے ندیم برس گانٹھہ کے یہ تاگے نے
تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ھے اختیار گرہ

پئے دعائے بقائے جناب فیض مآب
لگیگی اس میں ثوابت کی استوار گرہ

ھزار دانہ کی تسبیح چاھتا ھے بنے
بلا مبالغہ درکار ھے ھزار گرہ

عطا کیا ھے خدا نے وہ جاذبہ اس کو
کہ چھوٹتا ھی نہیں رشتہ زینہار گرہ

کشادہ رخ نہ پھرے کیوں جب اس زمانے میں
بچے نہ از پئے بند نقاب یار گرہ

متاع عیش کا ھے قافلہ چلا آتا
کہ جادہ رشتہ ھے اور ھے شتر قطار گرہ

خدا نے دی ھے وہ غالب کو دستگاہ سخن
کروروں ڈھونڈ کے لاتا یہ خاکسار گرہ

کہاں مجال سخن سانس لے نہیں سکتا
پڑی ہے غم کی مرے دل میں پیچدار گرہ

گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھہ بات
زباں تک آکے ہوی اور استوار گرہ

کھلے یہ گانٹھہ تو البتہ دم نکل جاے
بری طرح سے ہوی ہے گلے کا ہار گرہ

ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک
کبھی کسی سے کھلیگی نہ زینہار گرہ

دعا یہ ہے کہ مخالف کے دل میں از رہ بغض
پڑی ہے یہ جو بہت سخت نا بکار گرہ

دل اس کا پھوڑ کے نکلے بشکل پھوڑے کے
خدا کرے کہ کرے اس طرح ابھار گرہ

———:o:———

۴-نامہ منظوم-بخدمت لفٹنٹ گورنر پنجاب

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام
فرماں رواے کشور پنجاب کو سلام

حق گو و حق پرست و حق اندیش حق شناس
نواب مستطاب امیر شہ احتشام

جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقت رزم
ترک فلک کے ہاتھہ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہو انہیں آہنگ میکشی
واں آسمان شیشہ بنے، آفتاب، جام

چاہا تھا میں نے تم کو سہ چاردہ لکھوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عزو جاہ رہے گا علی الدوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلک آبگینہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سر زمین پر
حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے لیا ہے کلیجہ تھام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام

ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں
استادہ ہوگئے لب دریا پہ جو خیام

اس بزم پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از روے اہتمام

سمجھا اسے گراں ہوا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھپہ چلی چشمک عوام

عزت پہ اہل نام کی ہستی کی ہے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اس ناز کا فلک نے لیا مجھسے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا اژدھام

اس کشمکش میں آپ کا مداح نامور
آقائے نامور سے نہ کچھہ کہہ سکا کلام

جو واں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فایزالمرام

ملک وسیہ نہ ہو تو نہو کچھہ ضرر نہیں
سلطان بروبحر کے نوکر ہوں میں غلام

وکٹوریہ کا دھر میں جو مدح خوان ہو
شاہان عصر چاہئے عزت لیں اس سے وام

خود ہے تدارک اس کا گورنمنٹ کو ضرور
بیوجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام

امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال
بارے قدیم قاعدے کا چاہئے قیام

ہے بندے کو اعادۂ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستور فن شعر یہی ہے قدیم سے
یعنی دعا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دعا کہ زیرنگیں آپ کے رہے
اقلیم ہند و سندھ سے تا ملک روم و شام

———:o:———

٥- رقعہ منظور بنام علائی (رئیس لوہارو) *

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کی
پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں

سر آغاز موسم میں اندھے ہیں ہم
کہ دلی کو چھوڑیں لوہارو کو جائیں

سوا "ناج" کے جو ہے مقلوب جاں
نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں

ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں
ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں

وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول
وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں؟

فقط گوشت، سو بھیڑ کا ریشہ دار
کہو اس کو کیا کھا کے ہم حظ اٹھائیں

---

* پہلی دو غزلیں اور دو قطعی نواب احمد سعید خان صاحب طالب مرحوم کے قلمی کلیات غالب (اردو) سے مجھے ملے اور یہ منظوم رقعہ جو نواب علاالدین احمد خاں مرحوم کو لوہارو بلانے کے جواب میں بھیجا گیا تھا، نواب صاحب موصوف کے بیاض سے دستیاب ہوا ہے: — (ہاشمی)

قطعه

خوانی بسوے خویش وندانی که مرده ام
دانی که مرده ره را ورسم خرام نیست
نے شیخ سدو ام نه اله بخش مرگ من
از عالم جنابت ومرگ حرام نیست

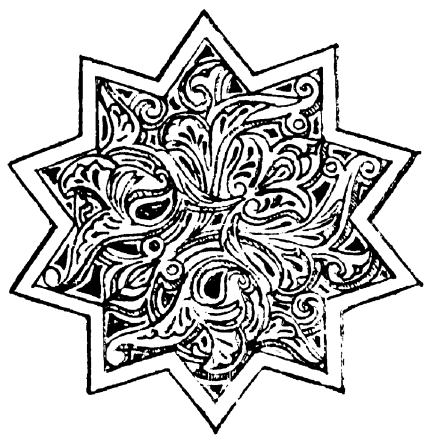

آئندہ کا خواب

از

(جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم)

یورپ کے بعض مدبرین کا خیال ہے کہ ایک اور عظیم الشان جنگ ظہور میں آئے گی اور حب وطن اور حب قوم نے جو ہنگامے برپا کر رکھے ہیں، وہ اس جنگ کے بعد فرو ہو جائیں گے اور دنیا حب انسان کا سبق سیکھے گی۔ آیندہ مختلف قوموں، ملکوں اور مذہبوں کے انسان روا داری، انصاف اور مساوات کا برتاؤ باہم کریں گے۔ آئندہ کے متعلق یہ دلکش خواب ذیل کی نظم میں بیان کیا گیا ہے —

روز آئندہ کے عریاں نظر آتے ہیں مجھے
پھر نئی جنگ کے ساماں نظر آتے ہیں مجھے

کئی قوموں کا چھلکنے کو ہے پیمانۂ عمر
ٹوٹتے شاہوں کے پیماں نظر آتے ہیں مجھے

آنے والے ہیں جو ہنگامے قیامت انگیز
پردۂ غیب میں پنہاں نظر آتے ہیں مجھے

پھر اُفق پر نظر آتی ہے کدورت کی گھٹا
اُٹھتے پھر غیظ کے طوفاں نظر آتے ہیں مجھے

اُٹھ گئے مہر کے جذبات دلوں سے اک بار
نازل اب قہر کے فرماں نظر آتے ہیں مجھے
نظر آتے نہیں ارام و سکوں کے آثار
لرزہ میں دھر کے ارکاں نظر آتے ہیں مجھے
سر کشی دیکھہ کے افراد بشر کی پیہم
ملک انگشت بدنداں نظر آتے ہیں مجھے
عقلیں اب امن کی تدبیر سے عاجز ہین تمام
فلسفے سر بگریباں نظر آتے ہیں مجھے

ہے یہ اُس جنگ کا آغاز جسے دیکھہ کے اب
دیوتا جنگ کے حیراں نظر آتے ہیں مجھے
کرتے ایجاد ہیں اس کے لئے سامان نئے
اپنی عقلوں پہ جو نازاں نظر آتے ہیں مجھے
آگ اُگلنے کو تفنگوں نے دھن کھول دیے
خوں فشاں خنجر براں نظر آتے ہیں مجھے
قتل انساں کے لئے دوڑتی ہے برق کی رو
گیس کے بقعے پریشاں نظر آتے ہیں مجھے
منہ ہیں توپوں کے کھلے چرخ بریں کی جانب
صاعقے ابر میں رقصاں نظر آتے ہیں مجھے
غول طیاروں کے افلاک کی جانب ہیں رواں
گرتے اب قلعہ و ایواں نظر آتے ہیں مجھے
بم پہ بم گرتے ہیں ہیبت ہے جہاں پر طاری
در و دیوار بھی لرزاں نظر آتے ہیں مجھے

بال و پر طایروں کے اوج ھوا پر ھیں کباب
لوٹتے خاک پہ انساں نظر آتے ھیں مجھے

آگ ھی آگ ھے پھیلی - جدھر اُٹھتی ھے نظر
شعلہ زن شہر و بیاباں نظر آتے ھیں مجھے

لہلہاتے ھوے جو کھیت تھے جنگل میں کھڑے
آتش جنگ میں سوزاں نظر آتے ھیں مجھے

محفلیں عیش و طرب کی ھوئیں برھم ساری
خاک کے ڈھیر شبستاں نظر آتے ھیں مجھے

باغ جنت نظر آتے تھے مسافر کو جہاں
اب وہ سب مرحلے ویراں نظر آتے ھیں مجھے

جن مکانوں میں بھرے عیش کے ساماں تھے تمام
اب وہ سب بے سرو ساماں نظر آتے ھیں مجھے

زیب تن جو کبھی کرتے تھے سنہری پوشاک
بچے ان شاھوں کے عریاں نظر آتے ھیں مجھے

سرخ چہرے کبھی تھے غیظ و غضب میں جن کے
اب وھی خون میں غلطاں نظر آتے ھیں مجھے

جن مقامات میں جھگھٹ تھے امیروں کے کبھی
اب وہ سب گور غریباں نظر آتے ھیں مجھے

جن کو ارباب حشم نے کبھی ٹھکرایا تھا
محتشم اب وھی دھقان نظر آتے ھیں مجھے

خال خال اب کہیں باقی ھیں ستمگار اگر
ظلم سے اپنے پشیماں نظر آتے ھیں مجھے

فتنہ پرواز یاں تھیں جن کی جبلت میں بھری
اب وھی امن کے خواھاں نظر آتے ھیں

جس مساوات کي کرتے تھے تمنا اسلاف
اُس کے آثار نمایاں نظر آتے ھیں مجھے

خود پرستی کے جہاں دوڑتے رھتے تھے سمند
حریت کے وھی میداں نظر آتے ھیں مجھے

اپنی قوت پہ جو مغرور تھے بیداد سے خوش
اب وھی حق کے نگہباں نظرآتے ھیں مجھے

حب اِنساں کی ضیا جن کے دلوں میں ھے بھری
چہرے اُس قوم کے تاباں نظر آتے ھیں مجھے

مہر والفت کا جو ھے نور جہاں میں پھیلا
اُس سے آفاق درخشاں نظرآتے ھیں مجھے

عدل و انصاف کی دنیامیں پھرآتی ھے بہار
جس سے معمورے گلستاں نظر آتے ھیں مجھے

حال پر جن کے بہاتی رھی شبنم آنسو
اب شگوفے وھی خنداں نظر آتے ھیں مجھے

وہ چمن جن پہ خزاں پھیر چکی تھي پانی
اب سراپا گل و ریحاں نظر آتے ھیں مجھے

بیٹھتے تھے کبھی کوے بھی نہ جن شا خو ں پر
اُن پر مرغان خوش الحاں نظر آتے ھیں مجھے

جو مقامات کہ اس جنگ میں دوزخ تھے بنے
اب وھی گلشن اخواں نظر آتے ھیں مجھے

دورِ تی ضو ہے محبت کی جو بجلی کی طرح
سینے اِس ضو سے فروزاں نظر آتے ہیں مجھے

مختلف مذہب و ملت کے جوانان حسین
سبزہ زاروں میں خراماں نظر آتے ہیں مجھے

یہ سماں نور کا آیا جو تصور میں نظر
دیدہ و دل بھی چراغاں نظر آتے ہیں مجھے

متروکات

از

(جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی اسسٹنٹ

فارن سکریٹری کشمیر (جموں)

طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چند برسوں کے بعد انسان کا گوشت اور پوست بالکل نیا بن جاتا ہے-زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ اپنی غذا کے لئے بے شمار بیرونی اشیاء کا محتاج ہے اس پر بھی جراح نے جو کبھی کسی انسان کے جسم پر نشتر چلایا تھا اس کا نشان مرتے دم تک باقی رہتا ہے-یہی حال دنیا کی نئی اور غیر صرفی زبانوں کا ہے یعنی اخذ اور ترک اُن میں برابر جاری رہتا ہے-لیکن ان کے جگری نشان اور جوہر جوں کے توں رہتے ہیں—

حضرت ولی کو اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر مان کر اُردو کی عمر دو سو برس سے کچھ اوپر ٹھہرتی ہے-ولی مرحوم محمد شاہ گورگانی کے عہد میں دکن سے دہلی آے-اس بادشاہ کی حکومت کا زمانہ سنہ ۱۷۱۹ ع سے سنہ ۱۷۴۹ ع تک شمار کیا جاتا ہے-زبان کے باب میں یہ تھوڑی سی مدت بھی کچھ حقیقت رکھتی ہے؟ بلا مبالغہ کہنا پڑتا ہے کہ اُردو والوں کا اخذ اور ترک ان دو صدیوں کی قلیل مدت میں تعجب خیز اور تحسین انگیز ہے-میرا روے سخن متروکات سے ہے-اس لئے ماخوذات سے سروکار نہیں رکھا جاے گا—

شروع شروع میں جو لفظ یا ترکیبیں متروک قرار دی گئیں اُن کی بنیاد اس اُصول پر ہو گی کہ ریختہ یا اُردو زبان کا ذاتی تشخص اور اپنی جگہ اس کی ایک مستقل ہستی قائم کی جاے-پھر لطافت اور نغزیت، ترنم اور سلاست کا نظریہ ترک کا معیار ٹھیرا ہو گا-متقدمین اور متوسطین غالباً اسی اُصول پر کاربند رہے ہوں گے-ہاں کہیں یہ بھی ہوا کہ اُردو کی دنیا میں اپنی ایک خود مختار حیثیت تسلیم کرانے کی غرض سے زبان کی گردن پر ترک کی کُند چھری ریت کر ایک امر مابہ‌الامتیاز قائم کیا گیا-یہاں سے اُردو میں بدعت کی بنیاد پڑی—

زبان مانجھنے اور معقولیت کی بنا پر اخذ اور ترک کا سہرا شاہ حاتم کے سر ہے-شاہ صاحب محمد شاہی عہد کے شاعر اور ولی کے ہم عصر تھے-یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ اُن کا زمانہ کتنی دور تک اِن کے زمانہ کا ہم ردیف ہے-شاہ حاتم نے بہت سے ہندی اور دکنی الفاظ جو ولی کے کلام کی زینت تھے ترک کر کے اُن کی جگہ فارسی کے ایسے الفاظ زبان میں داخل کئے جو غیر مانوس نہ تھے-بلکہ اُنھوں نے زبان کی اصلاح میں یہاں تک کیا کہ اپنے ابتدائی کلام میں جہاں رکیک لفظ نظر آے اس حصہ کو ہی اپنے کلیات سے خارج کر کے اپنے کئی دیوانوں سے غزلوں اور غزلوں سے شعروں کا انتخاب کر کے ایک منتخب دیوان ترتیب دیا جس کا نام دیوان زادہ رکھا-اس کے شروع میں ایک دیباچہ لکھا اور اس میں اپنے تمام متروکات کی فہرست دے دی-غرض کہ شاہ حاتم دھلوی کی ذات سے زبان کی خراش تراش اور اس میں کاٹ چھانٹ کی بنیاد پڑی-زبان کی اس خدمت کے اعتبار سے آزاد مرحوم نے شاہ صاحب کو پہلے دور سے نکال کر جہاں ان کی جگہ تھی دوسرے دور کے شعرا میں رکھہ دیا ہے—

میں یہاں متروکات کی تاریخ نہیں لکھہ رہا ہوں ورنہ میر تقی-مرزا

رفیع السودا، مظہر، درد، جرات، سوز، مصحفی، انشا، نصیر اور اساتذہ ثلاثہ یعنی مومن، ذوق اور غالب) اور ناسخ اور آتش کے متروکات کی عہد بہ عہد کی تفصیل وار تاریخ پیش کرتا۔ مرزا غالب کا اُردو دیوان تیسری بار سنہ ۱۲۷۸ ہجری میں چھپا۔ اس کے خاتمہ کی عبارت میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:—

"ایک لفظ سو بار چھاپا گیا ہے کہاں تک بدلتا۔ ناچار جا بجا یوں ہی چھوڑ دیا۔ یعنی کسو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں۔ البتہ فصیح نہیں۔ قافیہ کی رعایت سے اگر لکھا جاے تو عیب نہیں ورنہ فصیح بلکہ افصح کسی ہے"—

اسی طرح ذوق کے ہاں کبھو قافیہ کی رعایت سے ایک دو جگہ ہی آیا ہے۔ مومن خاں نے بھی بہت سے الفاظ ترک کئے لیکن چونکہ ذاتی تشخص قایم کرنے کی ضرورت نہ تھی میر علی اوسط رشک کی طرح ان کی ایک فہرست مرتب کرکے تالے کنجی میں نہیں رکھی۔ جناب شوق لکھتے ہیں:—

"اس لفظ سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ناسخ کے ساتھہ اور شعرا بھی زبان کی اصلاح میں شریک ہیں۔ جب مومن و آتش وغیرہ کا کلام بہت سے رکیک مستعملات سے پاک ہے تو میں ان لوگوں کے مصلح زبان ہونے سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں*"—

کہا جاتا ہے کہ حضرت ناسخ کے شاگرد میر علی اوسط رشک نے چالیس پینتالیس کے قریب الفاظ متروک قرار دئے تھے جن سے ان کا تیسرا دیوان پاک

---

* اصلاح مع ایضاح — مصنفہ مولانا ظہیر احسن شوق نیموی صفحہ ۱۰

تھا- لیکن وہ دیوان افسوس ہے کہ چھپا ہی نہیں- رشک مرحوم ان متروکات کے دفتر کو ہمیشہ مقفل رکھتے تھے اور اپنے خاص شاگردوں کے سوا کسی کو اس سے مستفیض نہ ہونے دیتے تھے- ان صورتوں میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ متروکات کی اس فہرست میں کون کون سے لفظ داخل تھے- وہ متروکات کس اصول پر مبنی تھے اس کا اندازہ ان کے کلام سے کیا جائے تو ان کے اجتہاد کے خلاف شبہات کی بڑی گنجایش ہے نمونہ ملاحظہ ہو —

چاول الماس گوشت لخت جگر　　فرقت یار میں پلاؤ نہیں
میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب　　پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

دیکھو نزاکت آپ کی دھرواکے آئینہ　　لگواتے ہیں ضماد مہاسے کے عکس پر

رشک مرحوم کے سینہ بسینہ متروکات سے قطع نظر کرکے اس بحث میں یہ کتابیں اور رسالے ذکر کے قابل ہیں: -

۱- آب حیات- مصنفہ آزاد مرحوم

۲- اصلاح معہ ایضاح شرح اصلاح- مصنفہ جناب مولانا محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی- مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۷ ع—

۳- تسہیل البلاغت- مصنفہ جناب محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی سنہ ۱۳۳۹ ھجری—

۴- قرارالمحاورات و قرارالمتروکات- مولفہ جناب سید تصدق حسین صاحب قرار شاھجہان پوری- مقیم لکھنؤ—

۵- اصلاح زبان اردو- مصنفہ جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی سنہ ۱۹۱۹ ع—

۶- نوراللغات (دیباچہ) مولفہ جناب مولوی نورالحسن صاحب نیر کاکوروی سنہ ۱۹۲۴ ع—

۱- آب حیات میں خاص خاص شعرا کے حال میں، کبھی ایک دور کے شروع یا آخر میں اس کے متروکات کا ذکر آیا ہے، مگر وضاحت اور ترک کی وجہ مفقود ہے —

۲- حضرت شوق نے پہلے پہل اپنی کتاب سنہ ۱۸۸۷ ع میں لکھنؤ سے شایع کی اس کا پچھلا اڈیشن کئی برس بعد جناب حسرت موہانی نے معہ ازالۃ الاغلاط اپنے اردو پریس علی گڈھ سے شایع کیا۔ حضرت شوق لکھتے ہیں:-

"جس طرح مہر و مرزا نے ولی و حاتم کے اکثر مستعملہ الفاظ ترک کر دیے تھے اسی طرح مومن و غالب و ناسخ و آتش وغیرہ نے مہر و مرزا کے بہت سے لفظ متروک کر دئے۔ جیسے اودھر۔ ایدھر۔ بگانہ بجائے بیگانہ۔ دوانہ بجائے دیوانہ۔ پیار۔ و پیاس با شباع یاء۔ تئیں کو کے معنی میں۔ تلک۔ تک۔ ذرا کے معنی میں۔ سکی۔ سوں۔ سجن۔ کنے۔ کسو۔ لوھو۔ مکھہ۔ نت۔ نہوں۔ مجھہ پاس۔ کرے ہے۔ آئیاں۔ جائیاں۔ ان میں سے اکثر الفاظ تو وجوباً ترک کر دئے اور بعض الفاظ ایسے ہیں کہ کسی نے کہیں کہیں استعمال بھی کئے ہیں۔ اس کے بعد ان کے تلامذہ کا دورہ ہوا۔ انہوں نے بھی کچھہ لفظ ترک کئے" —

۳- جناب سجاد مرزا صاحب کی تسہیل البلاغت کے صفحہ ۴۹ سے متروک الفاظ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس میں واچھڑے۔ بہتایت۔ سرس (زیادہ بہتر) نپت وغیرہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے کئی الفاظ شاہ حاتم متروک ٹھہرا چکے تھے۔ یہی حال زور۔ بل بے۔ خوباں اور عزیزاں کا ہے۔ ایسی فہرستوں سے کچھہ فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ پڑھنے والا سوچتا ہے کہ جب امیر اور داغ جن کو ہم نے کل دیکھا اور سنا تھا تلک اور بل بے لکھہ گئے تو ضرورت کے وقت ہم بھی

کیوں نہ وہ لفظ استعمال کریں —

۴ - جناب قرار کی کتاب کے خاتمہ پر چودہ صفحہ متروکات کے موضوع دئے گئے ھیں - شروع میں جو لکھا ھے اس میں بہت کچھہ عیوب ترکیب وغیرہ کی ذیل میں آتا ھے جس کا تعلق ٹھیٹھہ متروکات سے ھرگز نہیں - مثلاً (صفحہ ۴۶) ایک جنس کے دو حروفوں کا قریب قریب آنا - کلام کا یہ نقص علم معانی میں تنافر حروف کی ذیل میں آتا ھے - اگر متروکات کی فہرست کو اس طرح طوالت دی جاے تو کلام کے تمام نقایص جس کا ذکر علم معانی اور علم بیان وغیرہ میں آیا ھے اس میں داخل ھو جائیں گے - اخیر میں ایک فہرست بھی دی گئی ھے - اس میں وہ الفاظ مثالوں کے ساتھہ لکھے ھیں جو میر، سودا اور مصحفی وغیرہ متقدمین نے استعمال کئے، مگر اب متروک ھیں - امیر - داغ اور جلال بھی اس فہرست میں آجاتے ھیں - یعنی بقول مولف ان کے بھی بعض مستعملہ الفاظ اب متروک ھیں - اس اقتباس میں زمانہ وغیرہ کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا - چنانچہ اخیری متروک لفظ " ھے گی " ھے اور اس کے لئے سودا کا شعر نقل کیا ھے - اس فہرست کے تین خانے ھیں، اول خانہ میں جایز الفاظ ردیف وار درج نہیں دوسرے میں متروک تیسرے میں مثال کے شعر - چاھئے یہ تھا کہ اول خانہ میں متروک الفاظ کو لاتے —

۵ - اصلاح زبان اردو - کہتے ھیں لکھنؤ میں ایک انجمن اصلاح سخن تھی وہ ایک رسالہ گلچھیں نکالا کرتی تھی - اس کے ممبروں نے زبان کے کچھہ قواعد مرتب کئے - غالباً انہیں قواعد کی بنا پر یہ رسالہ ترتیب دیا گیا - راقم اس انجمن - اس کے ممبروں اور رسالہ سے قطعاً نا واقف ھے - اگر یہ انجمن ایک دوسری جماعت، انجمن دایرہ کی نوعیت رکھتی تھی حس کا ذکر نومبر سنہ ۱۹۰۸ ع کے معیار میں آیا ھے تو اُس کے معتبر ھونے میں شبہ کی بہت گنجایش ھے - یہ چھوٹی تقطیع کا رسالہ ۴۸ صفحوں میں اردو کی اصلاح اور متروکات کو

نبٹا دیتا ھے—

۶ - نوراللغات کے دیباچہ پر نومبر سنہ ۱۹۲۴ ع درج ھے اس لئے اس بحث سے متعلق یہ تازہ ترین کتاب ھے - فاضل مولف نے دیباچہ میں ۲۹۷ متروکات کی فہرست دی ھے - یہ فہرست مولف کے خیال میں ساری فہرستوں سے بڑی ھے اس میں ایسے تمام لفظ آجاتے ھیں جنھیں اردو شعرا نے اول سے آج تک مولف کے قول کے مطابق متروک قرار دیا ھے - میں محض اسے فضول طوالت اور تحصیل حاصل کہوں گا - گھر جانا، گھر ویران ھونا کی جگھہ - گہنا، پکڑنا کے بدلے سوں، سیتی، سیں، سے کی جگھہ اب کون لکھتا ھے یا اب سے پچاس برس پہلے کون نظم میں لاتا تھا جو یہ بھی اس فہرست میں داخل کردے گئے ھیں - متعلم کو اس فہرست سے کچھہ فایدہ نہیں ھوسکتا - چاھئے یہ تھا کہ داغ اور امیر کے متروک الفاظ اور ان کی وفات سے آج تک جو الفاظ ترک کئے گئے ان کی فہرست دے دیتے - یا زمانہ اور دور کا تعین کرکے ایک مسلسل مکمل فہرست پیش کرتے - مولف نے اس طویل فہرست کے بعد چند اصول بھی متروکات کی بحث میں قلم بند کئے ھیں جن کی تعداد ۴۹ تک پہنچتی ھے - ان میں صرف ھدایتیں ھیں - وجہ اور علت کا ذکر کہیں نہیں آیا کہ کیوں فلاں لفظ متروک سمجھا جاے ؟ کیوں ایسا ایسا کرنا معیوب ھے ؟

ان چھئوں مطبوعات میں سے کئی ایسے ھیں کہ محض تجارتی مفاد پر نظر رکھکر شائع کئے گئے ھیں - کئی ایسے بھی ھیں جنھیں سندی حیثیت دینا انصاف کے قرین نہ ھوگا کیوں کہ ان کی مندرجات مقامی پاس داری سے مبرا نہیں - اس کی تفصیل یہ ھے - لکھنؤ والے نے جو کچھہ لکھا اس میں اس نے وہ الفاظ متروکات کی ذیل میں درج کر دئے جن کو لکھنؤ والوں نے استعمال ھی نہیں کیا اور ان میں اکثر ھندی کے مانوس الاستعمال الفاظ ھیں - جاننا چاھئے کہ ترک، اخذ یا استعمال کے وجود کو ممکن ھی نہیں لازم ٹھراتا ھے - جب ایک لفظ

کبھی آپ کے استعمال آیا ھی نہیں تو آپ کا اس کو ترک کرنا کیا معنی رکھتا ھے؟ اس قبیل سے ایک لفظ سندیسا ھے * یہ لفظ لکھنؤ کے مشاھیر شعرا نے استعمال نہیں کیا۔ مگر دھلی میں استعمال ھوتا رھا ھے۔ یہاں تک کہ مہتاب داغ میں آیا ھے پھر اسے متروکات کی فہرست میں شامل کرکے داغ کا شعر لکھہ دینا معقولیت سے خارج ھے۔ اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ لفظ کسی شاعر نے سوائے داغ کے استعمال کیا ھی نہیں، تو اس کے خلاف یہ کہا جا سکتا ھے کہ ناسخ وغیرہ نے ایسے بہت سے الفاظ استعمال کئے ھیں جو ان کے سوا اور کسی شاعر نے استعمال کئے ھی نہیں، خواہ وہ کہیں کا رھنے والا اور زبان کے کسی مرکز کا متبع تھا۔ مثلاً سپرغم، جریدتین، خالق الاصباح، سباح وغیرہ۔ تو کیوں نہ انہیں بھی متروکات کی فہرست میں درج کیا جاے۔ ان اصحاب نے یہ بھی کیا ھے کہ عام متروکات کی تمثیل میں چن چن کر دلی والوں کے اشعار اقتباس کئے ھیں اور لکھنؤ والوں کے کلام سے مجبوری کی حالت میں استفادہ کیا ھے۔ غالباً وہ روش اسی وتیرہ کا جواب ھوگی جو جناب سجاد مرزا بیگ صاحب نے اپنی تسہیل البلاغت میں اختیار کی۔ راقم کے اعتقاد میں ادیب اور نقاد کا مسلک ان دونوں رستوں سے پرے پرے ھونا چاھئے۔ جناب شوق کے ھاں یہ افراط تفریط نام کو نہیں —

تاریخی کوایف کہئے یا مبادیات ان کے بعد چند امور ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ھیں۔ پھر بعض الفاظ کے متروک قرار دینے کے متعلق بحث کی جاے گی۔ سب سے اول جو سوال ذھن میں اٹھتے ھیں یہ ھیں کہ

(۱) ایک لفظ مدت سے اردو میں مستعمل ھے اب جو اُسے ترک کیا جاتا ھے تو کس بنا پر؟ اس کے خلاف کونسی نئی باتیں پیدا ھوگئیں اور اسی معنی اور

---

* اس کا مفصل ذکر آگے آیگا

موقعہ کا کونسا نیا اور بہتر لغت مل گیا ہے جو اسے متروک الاستعمل قرار دیا جاتا ہے؟—

(۲) وہ کون شخص یا اشخاص ہیں جو الفاظ کو متروک قرار دینے کے اہل ہیں؟—

(۳) جو الفاظ وغیرہ متروک بتائے جاتے ہیں آیا وہ اردو زبان سے نکالدئے گئے ہیں یا صرف اردو کی نظم سے؟ اگر صرف نظم سے خارج کئے گئے ہیں تو اس اخراج کا اطلاق محض غزل اور عاشقانہ شاعری پر ہے یا نئے طرز کی شاعری پر بھی جسے بوجہ اختصار نیچرل شاعری کہا جائے گا؟—

اس ضمن میں اور بھی بہت سے امور تنقیح ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انہیں تین امور کا ذکر کیا جائے گا—

(۱) جن الفاظ یا ترکیبوں کو ہم سب اردو میں ترک کر بیٹھے ہیں ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی کبھی یہ سننے میں نہ آیا کہ ان وجوہ سے یا اس اصول کے تحت میں یہ لفظ ترک کیا گیا۔ ابتدا سے اب تک یہ بد عنوانی چلی آئی ہے اس سے بدعت اور طوایف الملوکی کا ہنگامہ گرم ہوگیا۔ جو جس کے جی میں آیا کر گزرا۔ متروکات کی فہرست پر جب غور کی نظر ڈالی جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر ٹھیٹھ اردو الفاظ جو زبان میں مدتوں سے رچے پچے تھے کان پکڑ کر اردو کی سبھا سے باہر کئے جاتے ہیں۔ اور اردو کو عربی، فارسی لغات سے گرانبار کیا جاتا ہے۔ میں اس ضمن میں اُن کا ذکر نہیں کرونگا جو دوسری طرف سنسکرت لغات کی بھرمار کررہے ہیں۔ کیونکہ وہ تعداد اور اثر میں کم ہیں۔ اردو کے کسی ہندو شاعر یا ادیب کو جس کی ادبی حیثیت مسلمہ ہو یہ الزام نہیں دیا گیا کہ وہ زبان میں اس طرح ثقالت پیدا کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ کیا ہندو اور کیا مسلمان اردو لکھنے والے سب ہی ارادی یا غیر ارادی متروکات کے باب میں برابر ہیں—

میں اس جگہ ہندوستا نی کے دو لفظ لکھتا ہوں-سندیسا اور-بتھا-یہ دونوں لفظ اردو لغات میں موجود ہیں-ان میں سے سندیسا نور اللغات کی مترو کی فہرست میں داخل ہے-دوسرا لفظ بتھا اس میں نہیں آیا-شاید کسی نے استعمال بھی نہیں کیا-راقم نے ایک جگہ استعمال کیا ہے اب ذرا ان دونوں لفظوں کے معنی کو دیکھئے-سندیسا کے معنی ہیں راضی خوشی کا پیغام-خیریت کی خبر-عربی فارسی کا کوئی لغت جو اس معنی کا حامل ہو ابتک اردو کے علم سے باہر ہے-اُن زبانوں میں اس کا کوئی مترادف ہوگا بھی تو وہ لغات کے محبس میں قید ہوگا-مژدہ یا نوید سندیسا کے مترادف نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ ایک خاص مسرت آمود واقعہ کی خبر دیتی ہیں-پیغام بری بھلی دونوں قسم کی خبر پر محتوی ہوتا ہے-صلح کا پیغام بھی ہوتا ہے اور جنگ کا بھی-نور اللغات کے جامع سے پوچھنا چاہئے کہ یہ لفظ کس وجہ سے متروکات کی فہرست میں شامل کیا گیا-اور یہ کہ سندیسا کا مترادف لفظ پیغام انھوں نے کس تحقیقات کی بنا پر لکھدیا ہے-وہ اس میں غلطی پر ہیں-اگر پیغام سندیسا کا مترادف ہوسکتا ہے تو سنانی کو بھی کیوں نہ ایسا مانا جائے-آپ کا کوری کے رہنے والے ہیں جو قصبہ زبان کے اعتبار لکھنؤ کا متبع ہے-اگر لکھنؤ نے اس لفظ کو ترک کردیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے اس لفظ کو استعمال کب کیا تھا-اخذ، اختیار یا استعمال کئے بغیر ایک شے ترک نہیں کی جا سکتی ہے - کسی ہندو کا یہ کہنا کہ ختنے کا ترک کیا جائے یا کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ مردے کو جلانا متروک ہے ایسا ہی لایعنی ہے جیسے یہ کہنا کہ سندیسا اردو میں متروک ہے - غلط ہے - کیون کہ یہ لفظ لکھنو نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا- بہر حال انہیں چاہئے تھا کہ لکھنو کے متروکات کی اور ان

● دیکھو فرہنگ آصفیہ-مولفہ شمس العلما سید احمد صاحب دھلوی

ان الفاظ کی جنہیں اور مقاموں کے برخلاف لکھنو نے استعمال نہیں کیا ایک ایک علحدہ فہرست مرتب کرتے تا کہ پڑھنے والے کو دھوکا نہوتا۔ متروک الفاظ کی مثالوں میں انہوں نے جابجا دھلی اورلکھنو اور سب مقاموں کے شاعروں کے کلام نقل کر دئے ھیں۔ اس سے یہ شبہ ھوتاھے کہ ان کی یہ فہرست کل اردو دنیا کی مسلمہ ھے۔ مگر جہاں تک اس لفظ کا تعلق ھے یہ ادعا درست نہیں۔ داغ کے ھاں یہ لفظ مہتاب میں آیا ھے—

سنکے وہ حال مرا غیر سے فرماتے ھیں
آئے ھیں آپ محبت کا سندیسا لیکر

میری رائے میں ھمارے پاس کوئی وجہ موجود نہیں کہ اس لفظ کو متروکات میں داخل کیا جائے۔ دوسرا لفظ جسکا ذکر آگے آیا بتھا ھے۔ اسکے معنی ھیں تکلیفوں یا مصیبتوں کی روداد یاداستان غم۔ میرے علم میں مختلف زبانوں کے ان لغات میں سے جنسے اردو کو شناسائی ھے ایسا پر معنی مفرد لفظ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ پھر کیوں نہ اسے رواج دیاجائے۔ ابتک ھم یہی سنتے آئے ھیں کہ فلاں لفظ فلاں ترکیب فصحا یا اکثر فصحانے ترک کردی۔ کوئی پوچھے کہ حضرت آخر اس ترک کی وجہ۔ اسکا موجب؟ تو جواب ندارد۔ یہ کبھی ظاھر نہ ھوا کہ فصاحت اور فصیح کی تعریف کیا قرار دی گئی ھے۔ اسکا معیار کیا ھے؟ اس کے موازنے کے کیا اصول ھیں۔ مزاج کی سودائیت نے ایک حساسی کیفیت پیدا کرکے قوت ممیزہ کو ماؤف کردیاھے۔ نتیجہ یہ ھوا کہ ھرشے میں "آدم بو" کا مضموں صورت پذیر ھو گیا۔ نہ لفظ کی صرفی ماھیت پرنظر کی گئی، نہ اس کی معنوی اھمیت کا لحاظ ھوا اور خرج یخرج ترک یترک کی گردان شروع ھوگئی۔ یہ دیکھہ کر بڑا اچنبھا ھوتاھے کہ اس اچھوت سدھار دلت اودھار، تبلیغ اور مساوات کے زمانے میں جب ھرایک دوسرے کو اپنے میں لینے کو اپکتا ھے اردو میں "نکالو! باھرکرو!" کے سوا اور کوئی صدا

سننے میں نہیں آتی- یہ بیوقت کا راگ ہے- اردو والے یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ اگر اُن کے متروک الاستعمال کی لے اسیطرح بڑھتی گئی تو ان کی وہی گت ہوگی جو "خارج از برادری" کی لے نے ہندؤں کی بنائی- خوف ہے کہ کہیں اردو ادب کو ان "تارکان ادب" کے ہاتھوں وہی دن دیکھنا نصیب نہو جو چھوت چھات اور سوچم کی مریضانہ حساسی نے ہندؤں کے قومی ادبار کا منہتے ثابت کیا- کوڑھی کے ساتھہ کوئی کھانا نہیں کھاتا- کھجلی والے سے سب الگ رہتے ہیں- ہیضہ اور پلیگ کے مریض سے سب ہی بچنا چاہتے ہیں یہاں تک تو احتیاط کرنا درست - اس سے زیادہ بیماری ہے خواہ وہ سوشل معاملہ میں ہو یا ادبی میں —

(۲-۳) اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر داغ اور امیر نے یا غالب اور مومن نے- میں کہتا ہوں شاہ نصیر اور ناسخ نے کچھہ الفاظ اردو کی برادری سے خارج کئے تو کیا وہ اب پھر اس میں داخل نہیں ہوسکتے ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ سو کوئی تیس چالیس برس متروک رہنے کے بعد اب اردو میں واپس آیا ہے ان سب باتوں سے قطع نظر دیکھنا تو یہ ہے کہ متاخرین اور معاصرین شاہ نصیر سے لیکر داغ تک اور داغ سے لیکر آج تک - جن شاعروں نے نظم کے فن کے قاعدے وضع کئے اور خاص خاص لفظوں یا ترکیبوں کو متروک قرار دیا ان کی حیثیت اردو نظم کے باب میں کیا تھی بلحاظ اس کے مختلف اصناف اور موضوع کے تنوع کے- متقدمین سے قطع نظر کرکے شاہ نصیر سے لیکر مرزا داغ تک کیا لکھا کرتے تھے- ان کے کلام کی نوعیت کیا تھی-اس کا میدان کتنا وسیع تھا؟ "نام نیک رفتگاں" کو ضایع کرنا اپنا شیوہ نہیں-یہ اور دوسرے بزرگ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ تمام اردو دنیا کے لئے ہمیشہ واجب التعظیم رہینگے-لیکن سچ کہنے سے چارہ نہیں- کہنا پڑتا ہے کہ غزل اور کبھی کبھی قصیدہ کے سوا اور صنف میں یا کسی مفید اور کار آمد موضوع پر انھوں نے کبھی فکر نہیں کی-وہ جس صنف میں بھی

لکھتے اس پر وہی مجاز کا رنگ حاوی تھا۔لیکن اس سے ان پر کوئی الزام عاید نہیں ہوسکتا۔اس زمانہ کی چال یہی تھی اور مالک کا مذاق ہی ایسا تھا۔آزاد مرحوم نے بیشک چھاتی پر سل رکھہ کر یہ سطریں لکھی ہونگی:-

.....دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے دخان سے
ایجاد کی ہوائیں اڑائینگے اور برج آتشبازی کی طرح
اس سے رتبۂ عالی پائینگے۔انہوں نے اس ہوا سے بڑے
کام لئے مگر یہ غضب کیا کہ گرد و پیش جو وسعت
بے انتہا پڑی تھی اس میں سے کسی جانب میں نہ گئے۔
بالاخانوں میں سے بالا بالا اڑ گئے" *—

جس شاعری کی یہ بساط ہو کہ مخفی خیال بندی اور قافیہ پیمائی سے شروع ہو کر اسی پر اس کا خاتمہ ہوجاے۔یعنی غزل۔اور غزل کی ہر بیت بجاے خود ایک قایم بالذات نظم۔مطلع میں رستم سے کشتی لڑ رہے ہیں۔حسن مطلع میں موت کا فرشتہ شاعر کی روح قبض کرنے آتا ہے لیکن آپ اتنے نحیف اور ضعیف ہیں کہ اسے دکھائی ہی نہیں دیتے اور وہ خالی کا خالی چلا جاتا ہے۔اگلے شعر میں آپ کا جنازہ اٹھتا ہے اور آپ شرمسار ہیں کہ نازنین معشوق کو چالیس قدم ساتھہ چلنے کی اذیت ہوئی۔اُس سے اگلے شعر میں آپ ساغر اور پیمانہ پٹک کر مٹکا ہی منہہ سے لگاکر شراب پی رہے ہیں۔اور آگے چل کر آپ کا اپنے محبوب سے اختلاط ہو رہا ہے.. مقطع میں آپ میں اور آپ کے خدا میں نام کو فرق اور امتیاز نہ رہا۔یہ گڑ بڑ جھالا ایران سے ہندوستان میں آئی اور یہاں اسے اور بھی بگاڑ دیا گیا۔مختصر یہ کہ غزل کیا ہے؟ چند قوافی کا خوش اسلوبی سے نباہ۔قصیدہ کیا ہے؟ مبالغہ کا قطب مینار۔جس شعر گوئی کی یہ کائینات اور

---

* آب حیات۔پانچویں دور کی تمہید

غرض و غایت ہو اُسے شاعری کہنا ہی معقولیت سے خارج ہے اول تو انھوں نے یا کسی اچھے شاعر نے کوئی قاعدے شعر کے فن یا متروکات کو کبھی وضع کئے ہی نہیں۔یہاں یہ ذکر کرنا بر محل ہوگا کہ کسی زبان میں بھی اچھے شاعروں نے شاعری کے قاعدے نہیں باندھے۔اور اگر کہیں اس کے خلاف ہوا ہے تو النادر کالمعدوم کی مصداق ہے۔خیر، اردو کے ان استادوں کے کلام یا ان کی اصلاحوں سے لوگوں نے بالواسطہ کچھہ باتیں استنباط کر کے ان کا نام قاعدہ اور ضابطہ رکھہ لیا۔بہر حال آج کل کے زمانہ اور موجودہ صورتوں میں نہ وہ قاعدے جوں کے توں واجب التعمیل ہیں اور نہ ان کے وضع کرنے والے یہ اہلیت رکھتے تھے۔ان کا اطلاق زیادہ سے زیادہ پرانی چال کی عاشقانہ شاعری پر ہوسکتا ہے۔ دوسروں پر۔کہئے نیچرل شاعری پر لازم نہیں آتا کہ وہ بھی ان الفاظ اور ترکیبوں کے استعمال سے محترز رہیں محض اس بنا پر کہ فلاں استاد نے ایسا کیا۔وہ دھلی کی سادہ کاری ہو یا لکھنؤ کی مرصع سازی۔یا پنجاب کی ہر ہفت پردازی غزل کی شاعری کے متعلق متروکات کی لے جتنی جی چاہے بڑھاتے جائیے لیکن یہ قیدیں نیچرل شاعری پر عاید نہیں ہوسکتیں۔حالی مرحوم کا تقریباً وہ تمام کلام جو مسدس کی تصنیف کے بعد موزوں ہوا۔حضرات صفی۔چکبست۔سرور مرحوم اور اقبال کی اکثر اور بیشتر نظمیں اور اسی قبیل سے اردو کے اکثر اچھے شعرا کا کلام " تنگنائے غزل " سے پرے پرے جاتا ہے۔جب آپ معشوق سے باتیں کرینگے یا اس کا ذکر۔تو بیشک چھوٹے چھوٹے سہانے لفظ۔نازک اسلوب اور میٹھی بولی میں گفتگو ہوگی۔لیکن جب زندگی کے جید مسایل یا حقیقت اور انسانی جذبات کے شدید موضوعات پر لکھنے بیٹھینگے تو سخن کا طرز اور ہوگا۔ غرض کہ خیال کی شاعری کام کی شاعری سے جدا گانہ ہے۔اس کے قاعدے اور ضابطے بھی جداگانہ ہونے چاہئیں اور ان کے وضع کرنے والے بھی۔ان وجوہ سے میں یہ عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ وہ قاعدے جو اب تک نظم کے لئے

باندھے گئے ھیں اور وہ الفاظ اور ترکیبیں جنھیں ترک کردیا گیا ھے ان سب کی نظر ثانی اور ترمیم کی ضرورت ھے-جبھی تو ھم دیکھتے ھیں کہ کئی لفظ تیس چالیس سال متروک رھنے کے بعد اب پھر زبان میں داخل ھو گئے ھیں جیسے سو، خیر یہ بات تو دور کی ھے نہ اب تک کسی کے ذھن میں آئی نہ اب سے پہلے کبھی اس سے بحث ھوئی-غزل کو ھی لیں تو ظاھر ھو گا کہ جو الفاظ وجوباً یا ترجیحاً متروک بتائے جاتے ھیں ان کے ساتھہ غزل کے نامی شاعر اور دوسرے شعرا کا کیا عمل ھے؟—

آیندہ مندرجات کے متعلق راقم نے یہ التزام کیا ھے کہ داغ اور امیر کو ایک حد قایم کرکے دکھایا گیا ھے کہ آیا انھوں نے ایک لفظ جسے متروک کہا جاتا ھے استعمال کیا یا نہیں اور یہ کہ ان کی وفات سے آج تک مشاھیر شعرا کا کیا سلوک اس لفظ کے ساتھہ رھا ھے اس زمرہ کے اکثر شعرا اس وقت موجود ھیں اور اردو دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ھیں—

اب میں چند ایسے الفاظ سے بحث کرونگا جنھیں متروک ٹھہرایا جاتا ھے-استعمال کے ثبوت میں اساتذہ اور مشاھیر شعرا کے تازہ ترین کلام سے جو دستیاب ھوسکا اشعار نقل کئے گئے ھیں-داغ کے تمام اشعار مہتاب سے-امیر کے صنمخانہ سے-جلال کے نظم نگاریں سے اور جلیل کے جان سخن اور تاج سخن سے لئے گئے ھیں-میری علم میں ان اصحاب کے یہ سب سے اخیری مطبوعہ دیوان ھیں-اور حضرت جلیل کے دونوں دیوانوں کی عمر دس بارہ برس سے زیادہ نہیں-ان شعرا کے کلام کی طرف اس مضمون میں جہاں کہیں اشارہ کیا گیا ھے وھاں ان کی انھیں کتابوں سے مطلب ھے جنکا ذکر ابھی کیا گیا-دوسرے شاعروں کا کلام جہانتک ممکن ھوا ھے معتبر رسالوں اور کتابوں سے لیا گیا ھے-ناظرین کی آسانی کے لئے ان کی ایک فہرست ذیل میں درج کی جاتی ھے—

ا برمرحوم-آنیربل پنڈت بشن نراین درصاحب لکھنوی-بیرسٹرایٹ لا—

ابر - مقلد میر و غالب جناب حکیم سید علی حسن صاحب لکھنوی —

اقبال - ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال - ایم اے - پی ایچ ڈی - بیرسٹر ایٹ لا - سیال کوٹی —

اکبر - جناب سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی - مرحوم —

امیر - جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی - لکھنوی - مرحوم —

باسط - جناب سید محمد باسط علی صاحب بسوانی —

برق - جناب منشی جوالا پرشاد صاحب بی - اے لکھنوی - سشن جج اودھ مرحوم —

برق - جناب منشی مہاراج بہادر صاحب دہلوی - منشی فاضل —

برہم - جناب حکیم عبدالکریم صاحب گورکھپوری - اڈیٹر مشرق و فتنہ وغیرہ -

بلیغ - جناب نواب سید عسکری مرزا صاحب لکھنوی —

بیخود - جناب منشی سید وحید الدین صاحب - دہلوی —

جلال - جناب حکیم سید ضامن علی صاحب لکھنوی - مرحوم —

جلیل - جلیل القدر فصاحت جنگ جناب حافظ جلیل حسن صاحب مانکپوری —

چکبست - جناب پنڈت برجنرائن صاحب چکبست بی - اے - ایل - ایل - بی - وکیل ہائی کورٹ - لکھنوی * —

حسرت - جناب مولانا سید فضل الحسن صاحب موہانی - بی - اے - اڈیٹر اردوے معلے —

داغ - فصیح الملک دبیر الدولہ ناظم یار جنگ جناب نواب مرزا خاں صاحب دہلوی - مرحوم —

---

* آپ نے کوئی تخلص ہی نہیں رکھا چکبست آپکا خاندانی عرف ہے آپ چونکہ اسی نام سے معروف ہیں اس لئے خمخانۂ جاوید کے اتباع میں عنوان آپ کے نام کے لئے اختیار کیا گیا —

راسخ - جناب مولوي سيد عبدالرحمن صاحب دهلوی - مرحوم —
ریاض - جناب سید ریاض احمد صاحب خیرآبادی —
زکی - جناب مولانا سید زکریا خاں صاحب دهلوی - مرحوم —
سایل - جناب نواب سراج الدین احمد خاں صاحب - دهلوی —
سرور - جناب منشی درگا سہائے صاحب جہان آبادی - مرحوم —
سلیم - جناب مولانا وحیدالدین صاحب پانی پتی - پروفیسر عثمانیه یونیورسٹی —
شاد - یمین السلطنت مهاراجه کشن پرشاد صاحب - حیدرآبادی —
شاد - خاں بہادر جناب مولوی سید علی محمد صاحب عظیم آبادی —
شاعر - افسرالشعرا جناب آغا شاعر صاحب دهلوي شاعر دربار جهالاوار
شوق - جناب منشی احمد علی صاحب قدوائی - لکھنوی مرحوم —
صفدر - جناب مولوی صفدر علی صاحب مرزا پوری —
صفي - جناب مولانا سید علي نقي صاحب لکھنوی —
ضامن - جناب مولوی سید ضامن علي صاحب کنتوری —
ظهیر - جناب مولانا سید ظهیرالدین حسین صاحب - دهلوی - مرحوم —
عزیز - جناب مولوی مرزا محمد هادی صاحب بي اے لکھنوی - پروفیسر عثمانیه یونیورسٹی —
محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب - تیره اسمعیل خاني —
مضطر - جناب حکیم اسد علیخان صاحب دهلوی —
نادر - جناب مولوی نادر علیخان صاحب کاکوری مرحوم —
نظر - جناب منشی نوبت رائے صاحب لکھنوی مرحوم —
نظم - نواب حیدر یار جنگ جناب مولانا علي حیدر صاحب طباطبائي لکھنوی —

وحشت - جناب سیدرضا علي صاحب کلکتوی —

یاس - جناب مرزا واجو حسین صاحب عظیم آبادی —

پہ-بمعني پر حضرت شوق نے اسے اپنی متروکات کی فہرست میں نہیں شامل کیا حضرت عشرت لکھنوی نے اس کا ذکر کیا ھے - فرماتے ھیں:- پہ کا استعمال اب اکثر فصحا نے ترک کردیا ھے - اس کے بدلے (پر) بولتے ھیں- آخر میں داغ و جلال نے بھي ترک کردیا" صاحب نوراللغات اس لفظ کي نسبت یہ لکھتے ھیں:- "یعنی فصحانے اس کا استعمال نثر اور بول چال میں ترک کردیا ھے" اس باب میں راقم کے خیال میں حضرت عشرت کے مقابلے میں نوراللغات کا قول زیادہ معتبر ھے- اس سے ظاھر ھے کہ نظم میں یہ کلمہ متروک نہیں - اکثر شعرا کے کلام سے بھي ایسا ھي پایا جاتا ھے - خود داغ اور جلال کے ھاں یہ لفظ موجود ھے —

داغ

کاش تو گور غریباں پہ نہ مضطر پھرتا
صبر سے ناز سے تمکین سے ٹھہرکر پھرتا
دیکھو دیکھو مجھہ پہ برساتے رھو تیر نگاہ
صید جس دم آنکھہ سے اوجھل ھوا جاتا رھا
دل کو لے لیتے ھیں در پردہ وہ عیاری سے
چار غیروں پہ جو کھلجائے تو پھر گھات ھی کیا

امیر

کیوں مرے سر پہ نہو لغزش پا کا احساں
ھاتھہ پڑجائے جو بیساختہ اس شانے پر
درکار ھے بہانہ پئے مغفرت امیر
نقوے پہ منحصر ھے نہ صوم صلوت پر

ظہیر

کس کو غرض کہ دل کی مصیبت میں جی جلائے
اپنی خوشی کی کسی پہ اگر آئے آئے دل

شاد عظیم آبادی

ان محنتوں پہ بھی یہ مرا ہو رہا تھا حال
لڑکوں کی بھی سند تھی پہ میں غیر مستند

نظم

کیوں تن آسانی پہ مایل ہو گئے
جو فضایل تھے رذایل ہو گئے
دامن ہستی پہ تھیں داغ سیاہ
مٹ گئیں اس طرح جیسے دھو گئیں

جلیل

میرے زخموں پہ چھڑک کر وہ نمک کہتے ہیں
وہ تھا تلوار کا جوہر یہ ہے جوہر اپنا

بیخود

کیوں اُلجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود ان سے
تم بھی نادان بنے جاتے ہو نادان کے ساتھ

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

سایل

منہ پہ ملتا ہوں تری خاک قدم رو رو کر
کرنا پڑتا ہے وضو کر کے تیمم مجھ کو

برق لکھنؤ

گھونگٹ اک ناز سے نکالے
سہرا پھولوں کا منہ پہ ڈالے

چرخ چہارم پہ ہے نمایاں
فیاض زماں مسیح دوراں

ابر

غور سے جب کسی دیوانہ کی حالت دیکھی
دل پہ اک چوٹ لگی ہائے میں وحشی نہ ہوا

صفی

حسن رسوا ہو دل اس بات پہ راضی نہ ہوا
اک نظر دیکھہ لیا اس کو جو کوئی نہ ہوا

عزیز

طبقۂ گور گریباں پہ ذرا یوں نہ چلو
اک قیامت ہوئی یہ زور جوانی نہ ہوا

میں نے مجموعۂ جذبات پہ کی جب کہ نظر
تیری تاثیر تھی اے جلوۂ جانانہ جدا

وحشت

تیری رعنائی قامت کا بھلا کیا کہنا
ایسے مصرع پہ تو استاد ازل صاد کرے

چکبست

موت کے رنگ سے مٹتا ہے کہیں رنگ شباب
سرد ہونٹوں پہ جوانی کی ہنسی آتی ہے

سرور

جس پہ اتراتی ہے اب تک آہ تیری خاک پاک
دفن ہے زیر زمیں پہ کوں فخر روز گار

مضطر

تیرے وعدہ پہ مرتا ہوں قیامت کے لئے ظالم
کوئی تہمت لگا مجھہ پر کوئی طوفان پیدا کر

برق دہلوی

گر مجھہ سے تیرا دل نہیں ملتا نہیں سہی
تو جس پہ جان دیتا ہے کر اس کی دلدہی

باسط

آئینہ زانو پہ رکھا جب وفور جوش میں
ماہ کامل کو لئے بیٹھا تھا میں آغوش میں

سلیم

ہیں تیری شمع حسن پہ پروانہ اس لئے
شعلوں سے کھیلتے ہیں تری انجمن میں ہم

راسخ

اس پہ عاشق ہیں نگہ باز ہیں راسخ ہم بھی
دیکھہ لیں گے نہ دکھائے رخ روشن سہرا

میں نہیں جانتا وہ کون سے فصحا ہیں اور کہاں رہتے ہیں جنہوں نے بقول جناب عشرت یہ بمعنی پر آب ترک کردیا ہے-جن شاعروں کے کلام سے ابھی اقتباس کیا گیا ہے وہ بیشک فصیح سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر اس وقت بفضلہ موجود ہیں-حضرت عشرت کو اس قسم کے اجتہاد سے آئندہ احتیاط چاہئے-اب رہا نوراللغات کا قول-اس مضمون میں ہمارا روے سخن اردو کی نظم کی طرف ہے-بول چال کا جو اس میں ذکر آیا ہے سو بول چال کی کوئی سند نہیں—

جلال مرحوم کے ہاں (ان کو چوتھی دیوان نظم نگاریں میں) بیشک یہ

لفظ نہیں آیا-اس کے بدلے ہر جگہ انہوں نے پر ہی لکھا ہے لیکن بوجہ ادغام کے جو انہیں اکثر و پیشتر موقعوں پر کرنا پڑا ہے بیسوں جگہ "پر آیا" کا "پرایا" وغیرہ شکلیں پیدا ہوگئی ہیں-اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ پہ ہی استعمال کرتے-اس کے علاوہ متروکات کے باب میں جناب جلال کو سند پیش کرنا شاید ٹھیک نہ ہوگا کیوں کہ ان کے ہاں بہت سے قدیم اور مسلمہ متروکات موجود ہیں-جیسے انکھڑیاں-اسی دیوان میں فرماتے ہیں:—

اپنی شوخ انکھڑیوں میں کچھہ تو حجاب آنے دو
راہ پر آئیں جو یہ خانہ خراب آنے دو

اس کے علاوہ چٹیلا، بے مرمتے نہ جائے، بہ سہل، پری گات، رسوا کن وغماز، جانی، بن ٹھن رہنا، پیش اہل مذاق، جاویداں، نذری، نفس چند کے مہماں، گہ، پھبن کی تذکیر وغیرہ الفاظ اور ترکیبیں ان کے ہاں کثرت سے موجود ہیں-میں یہ ضرور کہونگا کہ بعض اُمور کا لحاظ اُنھوں نے بہت کیا ہے چنانچہ اُن کے ہاں کہیں خود رفتہ نہیں آیا ہر جگہ بڑے جد و جہد سے از خود رفتہ اور از خود رفتگی ہی لائے ہیں-حکیم صاحب مغفور کے مداح آزردہ ہوں گے ورنہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ چند فارسی اور بعض اُردو "متروکات" سے بچنے میں ان کا ذہن اتنا صرف ہو گیا کہ اُن کے کلام میں تخیل شاعرانہ کا اتنا نشان بھی نہیں ملتا جتنا بیچاری غزل کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے—

پر بمعنی مگر یا لیکن

حضرت شوق لکھتے ہیں "پر بمعنی لیکن بعض فصحا نے ترک کر دیا ہے" معلوم نہیں وہ بعض فصحا کونسے ہیں جنھوں نے یہ لفظ متروک قرار دیا-جناب عشرت لکھتے ہیں "آخر میں داغ و جلال نے بھی ترک کر دیا تھا" جلال کی متروکات کی نسبت اوپر کچھہ ذکر آگیا ہے-داغ کے اخیری دیوان میں ایسے بہت سے لفظ اور ترکیبیں موجود

ھیں جنھیں متروک بتایا جاتا ھے مثلاً سو، ساقیا، گلابی پوش، وہ ھی، بسا غنیمت، تا بہ حشر، دستگہ، روسیہ، سدا، دیجے بجاے دیجئے وغیرہ۔اس لئے اس باب میں نہ جلال کی سند مسام ھو سکتی ھے نہ داغ کی۔نورا للغات شوق کا ھمنوا ھے چونکہ اس معنی کا حامل اور کوئی لفظ اتنا مختصر نہیں ھے اس لئے اگر اسے صرف عشقیہ غزل کے متعلق متروک سمجھا جاے تو مضائقہ نہ ھوگا مگر نظموں میں یا نیچرل مضمون کی غزلوں میں ھرگز ایسا نہیں ھونا چاھئے۔اس لفظ میں نہ کوئی ثقالت ھے نہ ذم کا پہلو اور پھر اتنا مختصر۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسے ترک کیا جاے۔چند فصحا کے کلام سے استفادہ کیا جاتا ھے —

امیر

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شام آتی ھے
کہاں تک بوجھ رکھئے کاتب اعمال کے سر پر

لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی آکے
ملا تو عید کے دن وہ مگر چیں برجبیں ھوکر

اس قدر ھے دراز ھجر کی رات پر تڑپنے سے جی نہیں بھرتا

نظر

نظر ھم کو علاقہ شعر سے کیا پر یہ حسرت ھے
نہ رھتے ھم تو اپنا ذکر اس محفل میں رہ جاتا

صفی

لب پر اک موج تبسم ھاتھہ میں ھلکی سی تیغ
نیم بسمل سیکڑوں پر نیم جاں کوئی نہیں

ابر مرحوم

جو نازک طبع ھیں مت جاتے ھیں پر اُف نہیں کرتے
شکست رنگ گل کی کب صدا آتی ھے گلشن میں

برق لکھنوی

ہر ایک کا جدا ہے رنگ و روغن   پر سبزہ پہ ہے بلا کا جوبن

بہ ظاہر یہ پایا جاتا ہے کہ پر کلمۂ استثنا کی معنی میں متروکات دہلی میں سے ہیں—

گر، بجائے اگر

شوق لکھتے ہیں "گر بجائے اگر بعضوں نے وجوباً ترک کر دیا ہے" عشرت نے اس لفظ کو متروکات میں نہیں لیا-نوراللغات اُردو نثر میں متروک اور نظم میں اگر کو فصیح قرار دیتا ہے-اس کی نسبت بھی میرا وہی قول ہے جو پر، کی نسبت آچکا ہے اب شعرا کا قول سنئے:—

داغ

فتنہ سازی بھی مرے دل کی قیامت ہوتی
گر ترے کوچے کی مٹی سے بنایا جاتا

اے واعظ اس کا ڈر ہے کہ آئے نہ آئے راس
گر بادۂ ظہور مرے حق میں سم ہوا

امیر

کرتے تو ہو سوال امیر اس سے حشر میں
اور اس کو گر جواب نہ آیا تو پھر کہو

بیخود

سنو گے اسی طرح گر بن کے پتھر
نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

جلیل

یہی عالم ہے گر جوش جنوں میں خاک اُڑانے کا
زمیں بھی سر پہ اک دن آرہیگی آسماں ہو کر*

---

* تارکان ادب کے قول کے مطابق اس شعر میں دو متروکات موجود ہیں۔دوسرے مصرعہ میں بجائے پر، کے پہ، آیا ہے مگر شعر کی شان ملاحظہ کے قابل ہے —

نظر

نہ دیتا گر سہارا کچھہ اُمید وصل کا طوفاں
شناور بحر غم کا حسرت ساحل میں رہ جاتا

محروم

ہم کو گر ہستی جاوید عطا کی تو نے
اپنے الطاف پہ اک اور اضافہ کر دے

برق دہلوی

گر اور ہی کسی پہ ترا دل نثار ہے
دم بھر بھی گر تجھے مرے ملنے سے عار ہے (مثنوی)

صفدر

وزیر اس وقت گر ہوتے تو ان سے پوچھتے ہم بھی
لیا ملک معانی کس نے شاہ شاعراں ہو کر

راسخ

گر سال طلب کروں تو کتنا چاہو
کیا مجھہ پہ بنی ہے کیوں یہ فتنہ چاہو

نظم

اُلٹ جانے کی شایاں گر زمیں ہے
تو پھٹ پڑنے کے قابل آسماں ہے

تلک جناب شوق کے قول کے مطابق "اکثر خواص نے ترک کر دیا ہے" اور یہ امر واقعہ ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ جناب عشرت کی متروکی فہرست میں یہ لفظ شامل نہیں۔ بقول نوراللغات "خاص خاص شعرا نے ترک کر دیا ہے" معلوم یہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۸۷ء کے بعد یہ لفظ پھر تناسخ پذیر ہو گیا اور صرف خاص خاص شعرا ہی اسے مردہ سمجھتے رہے۔ لیکن موجودہ شاعروں کا

کلام دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ غالباً اس خوف سے کہ مبادا تنقید کے توپ خانہ کا منہ ان کی طرف موڑ دیا جاے اول صنف کے اکثر شاعر اس کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں-جو عہد متروکات کے باب میں تعین کر چکا ہوں اس میں اس کے استعمال کی مجھے صرف تین نظیریں ملیں-بعض الفاظ خواہ مخواہ مرعوب ہو کر بھی ترک کر دئے جاتے ہیں-اگر یہ لفظ ترک کر دینے کے قابل ہے تو اس کی وجہ کیوں نہیں بتائی جاتی-مانا کہ 'ک' اس کا مرادف اور اس سے مختصر لفظ موجود ہے-مگر جب نظم میں قافیہ کی قید لازمی ہے تو ملک اور فلک کا ایسا بولتا ہوا قافیہ کیوں لغات سے خارج کیا جاتا ہے-اگر امیر مرحوم فصاحت کے باب میں خصوصیت رکھتے تھے تو سنئے وہ کیا کہتے ہیں:—

امیر

دھوم کرتا ہے تو اے وحشت تو خاطر خواہ کر
شہر گردی کب تلک صحرا سے بھی کچھہ راہ کر
کعبہ نہ جاے جو رہ نہ پہنچے خدا تلک
زاھد خدا کے گھر کی یہی ایک راہ ہے

اقبال

ھمنشیں افسانۂ بیداری جمہور چھیڑ
قصۂ خواب آور اسکندر و جم کب تلک (کب تلک ردیف)

معلوم ہوتا ہے کہ تلک کا ترک دھلی کے اجتہادات میں سے ہے نہ داغ کے ہاں آیا اور نہ دوسرے مشاہیر کے ہاں ملا-لکھنؤ بھی اب اس سے محترز ہو چلا ہے-بہر حال غزل کے متعلق راقم کو اس لفظ کی حمایت میں اصرار نہیں—

یاں-واں بقول شوق محض غیر فصیح ہے اور اکثر شعرا نے ترک کر دیا ہے- قرار نے اس کا ذکر نہیں کیا-نوراللغات کے ارشاد کے بموجب "فصحاے دہلی استعمال کرتے ہیں لکھنؤ کے بعض شعرا احتراز کرتے ہیں" لیکن تحقیق کا نتیجہ اس کے برعکس ہے-داغ کے ہاں یہ لفظ کہیں نہیں آیا-نہ مشاہیر دہلی کے کلام میں دیکھا گیا-ہاں لکھنؤ اور اس کے توابعات میں اس کا استعمال کم و بیش پایا جاتا ہے-جس لفظ کو امیر آخیر تک استعمال کرتے رہے اور جلیل اور چکبست اب تک کر رہے ہیں وہ بقول شوق غیر فصیح کیسے ہو سکتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ وہ شوق کا اجتہاد اس باب میں دیکھ چکے تھے—

امیر

کسی پہ زخم پڑا یاں جگر پہ آئی چوٹ
بھلا ہو زخم کا اپنی ہوئی پرائی چوٹ

مجھ سے ہو سکتا کہ دیتا بازوے قاتل کو رنج
واں ہوئی ابرو کو جنبش یاں بدن پر سر نہ تھا

جلیل

وعدے پہ نہ یاں آنا وعدہ نہ وفا کرنا
آنا تو الگ رہنا کرنا تو جفا کرنا

واعظ کی کیا مجال جو مستوں میں آسکے
یاں ہوش کا گزر نہ کسی ہوشیار کا

چکبست

سنتے ہیں انہیں کے لئے ہے کوثر و تسنیم
یاں جو رہ مولا میں لٹاتے ہیں زر و سیم

یاس

رهائی کا خیال خام ہے یاں کان بجتے ہیں
اسیرو بیٹھے کیا ہو گوش بر آواز زر ہوکر
ہوا کا دخل نہیں یاں وہاں ہوا کا عمل
قفس کی سست بنا ہے کہ آشیانے کی

بلیغ

تم گھر گئے یاں دل میں اٹھا درد قضا آئی
کیا پوچھتے ہو حال عدم کے سفری کا
عالم نزع میں اٹھوائے گئے ہم واں سے
ہائے کس وقت ہوا ہے در جانانہ جدا

حسرت

نکلا جو واں سے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تری انجمن میں ہے
ہوں دولت و حشمت پر ارباب ہوس نازاں
یاں بے سر و سامانی سامان محبت ہے

ضامن

اس کی جمعـــــہ کی کل غنیمت
واں ہوتی تھی زیب خواں نعمت

الف ندا کا اختلاط منادی کے ساتھہ

بقول شوق "اب غیر فصیح ٹھہرا ہوا ہے" تعجب ہے کہ مہتاب اور صنمخانہ میں یہ ترکیب کیوں فصیح سمجھی گئی۔شوق کے یہ لفظ سنہ ۱۸۸۷ ع سے آج تک کئی بار چھپ چکے ہیں مگر فصحا اور شعرا نے دلا تو ترک کر دیا لیکن ساقیا۔زاہدا وغیرہ اب تک برابر لکھہ رہے ہیں۔یہ ترکیب مع خوشا کے (جلال " خوشا نصیب اس

کے"۔ایسی ترکیبیں بہت استعمال کرتے ھیں) وجوباً ترک کر دینا چاھئیے—

اور فع کے وزن پر یعنی اُر۔اَوْر کے بدلے	حضرت شوق لکھتے ھیں بعض فصحا واؤ نہیں گراتے۔جناب عشرت کے رسالہ میں یہ لفظ نہیں آیا۔قرار صاحب نے بھی اسے چھوڑ دیا ھے۔نوراللغات میں اسے متروکات کی فہرست

میں شامل نہیں کیا گیا۔راقم کی رائے ھے کہ غزل میں یہ لفظ غور کے وزن پر ھی استعمال کرنا بہتر ھے۔داغ۔جلال اور جلیل نے یہ لفظ بر وزن فع استعمال نہیں کیا۔عزیز۔سرور۔شوق قدوائی۔برق لکھنوی۔وحشت۔نظم۔اور نادر کے ھاں کہیں کہیں آیا ھے*۔غزل کے شاعروں نے خوب کیا کہ اسے ترک کر دیا—

چکھا۔رکھا۔لکھا۔اٹھا	جناب شوق فرماتے ھیں دوسرے حرت کی تشدید کے ساتھہ فصیح ھے تحتی نوٹ میں لکھتے ھیں "حتی الوسع بالتشدید

ھی استعمال کرنا چاھئیے مگر بضرورت بالتخفیف بھی بے تکلف استعمال کر سکتے ھیں کیونکہ تلک اور سدا کی طرح یہ متروک نہیں"۔بارے† اصول نہیں تو اصول کی پرچھائیں ھی سہی کچھہ تو پتا چلا۔اس سے صاف ظاھر ھے کہ ضرورت کی شرط پر ان لفظوں کے استعمال یا ترک کا انحصار ھے۔میں کہتا ھوں یہ ضرورت کی شرط اور متروکات سے وابستہ کیوں نہو۔کیا وجہ ھے کہ تلک اور سدا ضرورت پر بے تکلف استعمال نہ کئیے جائیں۔جناب قرار کی فہرست میں حرت رکھا ھی ھے۔راقم کا قول یہ ھے کہ غزل میں ان تینوں لفظوں کا ک تشدید بغیر آنا وجوباً متروک قرار دینا چاھئیے۔میں نے ایک اور۔چوتھا لفظ بھی لکھدیا ھے یعنی اٹھا۔اس کے ماضی مطلق واحد کے صیغے میں ٹ پر وجوباً تشدید لانی چاھئیے

---

* امیر مرحوم نے صنمخانہ میں ایک جگہ ضرور استعمال کیا ھے—

دل جو دیں ان سے تو اے جان یہ گھرا پردا
اور روا رکھتے ھو پردے میں پھر آنا دل کا

† راقم "بار" کو ترک کے قابل نہیں سمجھتا—

تاکہ امر کے واحد حاضر صیغہ اور اسی طرح فعل کے دوسرے صیغوں کا آپس میں التباس بالکل نرہے—

ذیل کے شعرا کا کلام دیکھکر جنکی فصیح بیانی کے سب قایل ہیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ بزرگ اِن " تارکان ادب " کے اجتہاد کو نہیں مانتے جس کا سبب غالباً انہیں کی نازک مزاجی ہوئی-جب ترک کی لئے بے حد بڑھی تو شاعروں نے ان " تارکان ادب " کو نظر انداز کردیا—

داغ

روزہ رکھیں نماز پڑھیں-حج ادا کریں
اللہ یہ ثواب بھی ہے کس عذاب ہے
لڑیں گے وہ حوروں سے فردوس میں
یہ فتنہ اٹھے گا قیامت کے بعد
لکھا ہے داغ نے اس کا یہ مصرعہ تاریخ
ہزاروں سال مبارک یہ جش سال گرہ

امیر

ضبط کرتے ہی اثر نالوں کا ظاہر ہوگیا
بول اٹھے گھبرا کے ہے ہے 'وہ آخر ہوگیا
خط طویل یار کو میں نے لکھا مگر
مطلب کو دیکھئے تو کہیں کچھہ پتا نہیں

جلال

بے تمہارے یہ رہی شکل نشست و برخاست
بیٹھے دل ہوکے اٹھے درد جگر کی صورت
تقدیر کا لکھا اسے کہتا ہے نامہ بر
خط آے غیر کا مرے خط کے جواب میں

ریاض

ریاض اب کیا کریں اس شہر سے ہم قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاک گورکھپور ہوجانا

جلیل

دل چیخ اٹھا خیال جو ابرو کا آگیا
خنجر لگا گیا کوئی خنجر لگا گیا
لکھا ہے شان میں اس کی جو مہر برج شاہی ہے
چمک جائے نہ کیوں اس بندۂ درگاہ کا سہرا

عزیز

پردہ اٹھا تو مرجع دل یہ جہاں تھا
شرمندگی ہوئی مجھے اپنی خمیر سے

مہاراجہ شاد

ہوا جو تاریخ کا میں خواہاں تو بول اٹھا شاد ہو کے شاداں

برہم

میں نے اے برہم لکھا ترتیب دیواں کا یہ سال

برق لکھنوی

مرغان چمن چہک اٹھو تم گلہائے چمن مہک اٹھو تم

لیجے-دیجے بجائے لیجئے-دیجئے

جناب شوق لکھتے ہیں "ایک ی' گرانا اور بر وزن فعلن استعمال کرنا غیر فصیح ٹھہرا ہوا ہے" نوراللغات شوق کا ہم زبان ہے-عشرت اور قرار کے ہاں اس کا ذکر نہیں-کیا وجہ لاحق ہوے کہ فعل کی ان دو شکلوں میں سے ایک کو قطعاً متروک قرار دینے کی ٹھہرائی؟ پایا جاتا ہے کہ یہ لکھنؤ کے متروکات میں سے ہے-وہاں معاصرین کے کلام میں ایسے صیغے فعلن کے وزن پر نہیں آتے-ہاں دہلی میں یہ شکل اب تک مروج ہے—

داغ

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوے کیا کیجے
ہم بھی کچھہ دبتے کچھہ ان کو بھی دبایا جاتا

میرے ہی ہاتھہ سے مشکل مری آسان ہوگی
مجھکو دیجے جو نہیں آپ سے خنجر پھرتا

بیخود

ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہوگیا

زکی

دلیل راہ اس نقش پا ہے سر فدا کیجے
طریق عشق میں یہ ارمغاں ہے پہلی منزل کا

راسخ

ہے تورّ یہ بھوک کا کہ سم کھا لیجے
ٹھوکر بھی لگے تو ہر قدم کھا لیجے

سایل

دونوں جملوں کو جمع کر لیجے
سن ہجری کی ہوگئی تکمیل

شاعر

سر شوریدہ میں وہ بات نہیں پہلی سی
اب تو وقت آگیا کیجے بھی سبکدوش مجھے

بتلانا دکھلانا وغیرہ

بتلانا دکھلانا وغیرہ بتانا دکھانا وغیرہ کی جگھہ استعمال کرنا دھلی کے متروکات میں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی نسبت بھی راقم کی یہ راے ہے کہ اگر اس کا ترک واجب رکھا جاے تو

تو غزل تک محدود رہے—

امیر

سنتا ہوں محتسب نے کیا میکدہ کو قرق
بتھلا دیا یزید نے پہرا فرات پر
آنکھہ دکھلاتے ہیں وہ دیکھیں گے مجھکو بیتاب
یہ نکالا ہے نیا درد جگر کا تعویذ

جلال

وہ ٹھکانا تمیہں بتلادے جہاں رہتا ہے
ہوش میں اپنے زخود رفتہ کو جب لاؤ ابھی

چکبست

نہ بتلائی کسی نے بھی حقیقت راز ہستی کی
بتوں سے جاکے سر پھوڑا بہت دیر برہمن میں

عزیز

ایک حالت ہو تو اس منظر کو دکھلائے کوئی
سیکڑوں دیکھے تماشے اے بلائے ناگہاں

سدا

سدا کے حلات دہلی اور لکھنؤ نے غضب کی تلوار سوتی ہوئی ہے - حضرت اکبر مرحوم اور جناب جلیل کی جوانمردی توصیف کے قابل ہے کہ انہوں نے اس غریب کو اچھوت نہ مانا—

اکبر

صوائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں سے کیا مطلب مجھے سرگم سے کیا مطلب

جلیل

جلیل سنگ حوادث کا کیا کریں شکوہ
ہمارے دل نے سدا چوٹ پر اُٹھائی چوٹ

یہ سوال نہایت اہم ہے کہ کیوں اس لفظ کو ترک کیا جائے - اگر یہ کہا جائے کہ صدا سے التباس نہو اس غرض سے اس غریب کو اردو کی برادری سے کان پکڑ کے نکال باہر کیا - تو میں کہوں گا کہ ہماری زبان میں بہت لفظ ایسے موجود ہیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور وہ بےتکلف استعمال کئے جاتے ہیں - مگر حرف استثناء ہے - اور ایک دریائی جانور کا نام بھی ہے اور کسی سے سرگوشی کرنے کا امتیاز بھی رکھتا ہے - کیوں نہ اس لفظ کو صرف ایک معنی میں استعمال کیا جائے اور باقی دو میں ترک کر دیا جائے - ایک اور لغت صلوت ہے جو در بالکل متناقض معنوں میں استعمال ہوتا ہے بھاشا کے ایسے بہت لفظ اردو میں موجود ہیں جو سدا اور صدا سے بھی زیادہ متشابہ باہم ہیں - کہئے کہ تلفظ اور املا میں عربی یا فارسی الفاظ سے بالکل یکساں ہیں جیسے کالا - مالی - مور - بندر - در - وغیرہ کیوں بھاشا لفظ متروک قرار دیا جائے اور عربی فارسی کے نہیں - جنکے مترادف اردو میں موجود ہیں یہ دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ اُدھر تو ایک لفظ کو اس کے مقدس معنے سے ہٹا کر نہایت مکرر معنی پہنائے جاتے ہیں اور ادھر ایک لفظ کو جس کا ہموزن ہم معنی میسر نہیں اس بنا پر ترک کیا جاتا ہے کہ اس کی آواز ایک اور لفظ کی آواز سے ملتی ہے - ہمیشہ - دایم - دایما مدام وغیرہ الفاظ رباعی ہیں بلکہ بعض ان میں خماسی بھی - جناب جلیل اور جناب اکبر نے بہت معقولیت سے کام لیا کہ انیس اور مومن کے استعمال کی تقلید کی - میں ان "تارکان ادب" سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان کا عندیہ یہ ہے کہ سے میں - کا - جیسے چندروابط - گنتی کے مصدروں - دس پانچ اسمائے ذات اور

دو چار صفات سوا باقی تمام اردو اور سودیشی لفظ زبان سے خارج کردئے جائیں اور ان کی جگہ عربی، فارسی، ترکی، مصری، عراقی وغیرہ الفاظ بھرتی کئے جائیں - ایسا ہے تو اس کا اعلان ہونا چاہئے تاکہ کوئی دھوکے میں نہ رہے - جن لوگو نے ہندی اور اردو بنائی وہ ایک اور زبان بھی بنا سکتے ہیں - اساتذہ اور مشاہیر کے کلام کے اقتباسات سے واضح ہو سکتا ہے کہ اِن اکثر نام کے متروکات کی متروکی حیثیت کہاں تک اسم با مسمے کی شان رکھتی ہے - ان تارکان ادب نے یہ بھی کیا ہے کہ اگر ایک شاعر نے کوئی غلطی کی یعنی غلط استعمال کیا یا ایک استاد کے باب میں کہدیجے کہ تصرف کیا تو اسے بھی متروکات میں شامل کر کے اپنی فہرست کی طولت میں اضافہ کردیا ہے- مثلاً حضرت عشرت خواجہ کے الہضات کو بھی متروکات ذیل میں لے آئے ہیں- خواجہ مرحوم نے لا علمی سے یا بے خیالی میں الہضات کو غلط باندہ دیا تھا —

زہر پر ہیز ہوگیا مجھہ کو-درد درماں سے الہضات ہوا-

اسی طرح صاحب نوراللغات نے خواجہ مرحوم کی دوسری غلطی یا "تصرف استادانہ" یا شاعرانہ مجبوری کو جو "حلوۂ بیددو" کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی تھی متروکات کی فہرست میں رکھہ دیا ہے-"سندیسا" کا ذکر پہلے آچکا ہے-یہ واقعات طویل استدلال سے مستغنی کرکے یقین دلاتے ہیں کہ ان کی فہم نے "متروک" کی تعریف ہی متروک قرار دیتی ہے-غرابت مخالفت قیاس-لغوی- صنعف تالیف وغیرہ کے تحت میں جو ذمایم اور نقایص بیان کئے گئے ہیں ان سب کو متروکات میں گڈمڈ کردینا ایسا کرنے والوں کی علمی استعداد اور فن-کی واقفیت کی قلعی کھولتا ہے-متروک کی تعریف یہ قرار دیجاسکتی ہے —

متروک وہ لفظ یا ترکیب ہی جو ایک وقت ایک زبان میں بغیر کسی قید اور تخصیص کے مستعمل ہو لیکن پھر اس کا استعمال بالکل یا اس کے ایک مختص معنی میں ترک کردیا گیا اس اہم موضوع پر کسی نے تفصیل اور دلیلوں

کے ساتھہ بحث تو کی نہیں، ہاں کیا تو یہ کیا کہ اپنی زعم میں جن لفظوں یا صیغوں کو رکیک اور مذموم یا غلط سمجھا انہیں آنکھہ بند کرکے متروکات کی فہرست میں داخل کر دیا۔ لکھنؤ والوں نے دھلی کی خصوصیات کو اور دھلی والوں نے لکھنؤ کے خصوصیات اور اغلاط کو متروکات کی مثل میں نتھی کر دیا اور سب نے پنجاب کے خصوصیات کو متروکات قرار دے دیا۔ اردو کے متروکات اور متروک کی تعریف ہر ایک کے ذہن سے پرے پرے ہی رہی۔ اور یہ بھی ہوا کہ ایک جگہ کے مستقل متروک کی پروا اس شخص نے جو وہاں سے ادبی واسطہ نہیں رکھتا مطلق نہ کی۔ مثلاً آگے ذکر آچکا ہے کہ صاحب نور اللغات نے اپنی ہاں متروکات کی فہرست کو فضول طول دیا ہے لیکن اس پر بھی وہ فہرست مکمل نہیں۔ جاننا چاہئے کہ دھلی کے فصحا میں "دکھنا" متروک اور غیر فصیح ہے وہ اس کے بدلے "دکھائی دینا" کہتے ہیں۔ اگرچہ میں اس ترک کے خلاف ہوں کیونکہ مجھے کوئی برہان ناطق نظر نہیں آتی کہ کیوں ایک چار حرف کا لفظ ترک کرکے اس کی جگہ نو حرف کا لفظ وجوباً استعمال کیا جائے۔ میرے ہاں یہ لفظ ایک جگہ آگیا تھا۔ احباب نے ٹوکا۔ میں نے کہا آپ سے نکلے تو نکالدیجئے۔ اس میں وہ سب قاصر رہے۔ آخر وہ اُسی طرح قایم رہا۔ یہاں جو یہ ذکر آگیا ہے تو میں ایک اصول کی بات بتانا چاہتا ہوں۔ ہم لوگ یعنی ہندوستان کے ہندو مسلمان خواہ کسی خطے اور حصے میں رہتے ہوں مذہبی عقیدت اور دینی احکام کی پابندی میں نہایت راسخ اور استوار ہونے کے باوجود تہذیب اخلاق کے باب میں نہ صرف یقین سے بلکہ عمل سے بھی ضعیف الاعتقاد اور دھلمل یقین ہیں۔ "شبہ شنکا" شگون بد شگون، سعد و نحس وغیرہ ارکان دین کے ساتھہ ساتھہ ہمارے دلوں پر مسلط ہیں۔ نذر نیاز، بھینٹ چڑھاوا، سامنے سے چھینک پڑی ابھی مت جاؤ!۔ بلی راستہ کاٹ گئی کسی سے لڑائی ہوگی۔ اُس طاقچے کو جمعرات کے دن سہرا اور گھی کا دیا چڑھاؤ۔ اس پیپل کے پیڑ کو پورنماسی کی رات کو دودھ پلاؤ اور کلاوہ

پہناؤ- "وہ پیرجی پرانے بخار کا تیر بہدت تعویذ دیتے ہیں"- "سول سرجن ہوجائیں تو ضرور ان پیرجی کو بلائینگے"- "وہ بھگت جی تلی کا حکمی جھاڑا کرتے ہیں"- کل مسہل ہولے تو جھڑوا لایا کرو"- مختصر یہ کہ جب افراد کے مزاج میں سودائیت غلبہ پا جاتی ہے تو نظام اعصابی ماؤف ہوکر ذکی الحس ہوجاتا ہے-یعنی ذرا سی سردی یا گرمی سے طبعیت بگڑ جاتی ہے-برائے نام تری یا خشکی کی زیادتی بیماری کی صورت پیدا کر دیتی ہے-خاص اسباب سے جو کیفیت افراد کی جسمانی صحت میں مریضانہ ذکی الحسی کی شکل میں صورت پذیر ہوتی ہے ویسی ہی کیفیت اِنسانوں میں من حیث الجماعت ذہنی صحت میں احساس کی مریضانہ شدت کی شکل میں صورت پذیر ہوجاتی ہے-جس کی آئینہ بردار اس کی زبان ہوا کرتی ہے-جنھوں نے علمی اصول پر زبانوں کی تحقیق کی ہے وہ ایک زبان کی ساخت' اس سے محاورں' کہاوتوں اور صنایع بدایع سے اس کے استعمال کرنیوالوں کے سیر اور تہذیب معاشرت کا مجسمہ تیار کر لیتے ہیں-جب کہ ہماری معاشری اور جماعتی حالت وہ ہے جس کی طرف ابھی اشارہ ہوا تو یہ امر لابد تھا کہ ہماری زبان شکوک اور واہمہ کی زیر مشق ہو-جبھی تو آپ دیکھتے ہیں کہ نقایص اور سقایم' عیوب اور ذمایم جتنے ہمارے ہاں بتائے جاتے ہیں اس قسم کے کسی اور زبان میں نہیں پائے جاتے- ایک ذم کا پہلو ہی ایسا جن ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ شاید کوئی اس سے بچا ہوگا-جو بولو وہی لکھو نہیں تو فصاحت کی ٹکسال سے باہر-یہ کانوں کو بھلا نہیں معلوم ہوتا' وہ لفظ اب تک کسی نے استعمال نہیں کیا یہ روز مرہ کے خلاف' وہ محاورہ کی سند کا محتاج' وغیرہ وغیرہ-ان سب باتوں پر طرہ یہ کہ لے دے کے تین حروف علت تو ہماری زبان کی پونجی مگر وہ بھی منہہ کھول کر اپنا نام نہیں بتانے پاتے-کوئی کہتا ہے فارسی الفاظ کا الف گرانا جایز نہیں-کوئی حکم لگاتا ہے الف' واؤ' ی' کسی کا بھی تقطیع سے ساقط ہونا جایز نہیں-کوئی یہ فتوی

دیتا ھے کہ واؤ اور ی کا مضایقہ نہیں لیکن الف سالم الصوت اور تقطیع کے اندر رھنا چاھئے۔ یہ شاید اس ادب کے پاس سے کہ رام اور خدا میں یہ حرت آیا ھے۔ اور یہ کسی کی سمجھہ میں نہ آیا کہ اردو نظم میں آخر ایسی کیا بات ھے کہ اس غریب تثلیث کی گوشمالی ناگزیر ھے * —

عرصہ ایک صاحب فرماتے ھیں "عرصہ بمعنی مدت آج کل زبانوں پر بہت جاری ھے۔ مگر احتیاط لازم ھے کیونکہ عرصہ بمعنی میدان ھے"۔ محض یہ واقعہ کہ یہ لفظ آج کل اس معنی میں زبانوں پر بہت جاری ھے اس ترک کے خلاف بیٹھتا ھے۔ پھر ھرج کیا ھے اگر دونوں معنوں میں استعمال کیا جائے۔ لیکن لکھنے والے نے یہ غلط کہا کہ عرصہ بمعنی مدت آج کل زبانوں پر بہت جاری ھے۔ ھم تو شاھنشاہ اورنگ زیب کے وقت سے اس لفظ کو اس معنی میں سن رھے ھیں۔ نعمت خان عالی وقایع اول میں فرماگئے ھیں:۔

یکے بشرط کہ فردا ست کوچ تا دھلی تواں بہ عرصۂ چل روز یا دو ماہ رسید

عادی۔ مشکور یہ بھی ھورھا ھے کہ عرصہ کی طرح فارسی عربی کے وہ الفاظ جو ابتدا سے ابتک ایک خاص معنی میں مستعمل تھے، اب ترک کئے جارھے ھیں۔ وہ لوگ یہ بھولتے ھیں کہ ایک لفظ کے لغوی معنی کے علاوہ اور معنی بھی ھوا کرتے ھیں اور کہ کلام کی عقلی حقیقت یا عقلی مجاز متکلم کے عندیہ اوراعتقاد پر منحصر ھے۔ جب عادی اور مشکور مدتوں سے عادت گیرندہ اور احسان مند کے معنی میں استعمال ھورھے ھیں اور متکلم اور سامع دونوں کا ذھن انھیں معنوں کی طرف جاتا ھے تو اب قاموس اور صراح سے فتویٰ لیکر ان الفاظ کو اردو سے خارج کرنے میں کیا مصلحت ھے۔ میں کہتا ھوں کہ گلاب کی مانند ان کو بھی مہند کیوں نہ مانا جائے۔ جس طرح گُلاب سے گلابی بنالیتے ھیں

---

* یہ موضوع اتنا تفصیل طلب ھے کہ اس سے یہاں بحث نہیں ھوسکتی اس لئے کسی آیندہ وقت پر ملتوی رکھا جاتا ھے —

اسی طرح مشکور سے مشکوری بنا لیا تو کیا ہرج ہوگیا۔معنی یا املا اور ہجا کی تبدیلی کے ساتھہ بے شمار الفاظ مفرس اور معرب ہوگئے ہیں۔ذکی مرحوم فارسی عربی میں مسلمہ قابلیت رکھتے تھے اور مرزا غالب کے ارشد تلامذہ میں تھے انھوں نے مشکور استعمال کیا ہے۔فرماتے ہیں:-

ہوئی تقدیم احساں احسن تقویم سے ثابت
نہو مشکور پھر کیوں بندہ لطف کبریائی کا

جناب ضامن کنتوری " گلزار نسیم اور تنقید نقاد " والے معنوں میں مشکور لکھتے ہیں—

عادی ہر اہل زبان کی زبان پر ہے۔حضرت جلال نے اس بنا پر اس لفظ کو اردو سے خارج کیا تھا کہ اس کا وجود اردو کے ثقات شعرا کے کلام میں پایا نہیں جاتا۔حکیم صاحب اگر نواب مرزا لکھنؤی کو ثقات شعرا میں نہیں سمجھتے تھے جو کہہ گئے ہیں—

ہم تو دشمن ہیں جعل سازی کے
آپ عادی ہیں رنڈی بازی کے

تو خواجہ وزیر لکھنؤی تو یقیناً ان ثقات حضرات کے حلقے کے ایک اعلیٰ رکن ہیں۔فرماتے ہیں،

تیغ ابرو کی زباں عادی ہوئی
بات سیدھی بھی جو کی ٹیڑھی ہوئی

اسی پر اور الفاظ کے ترک کے اسباب اور علل کو قیاس فرما لیجئے--

اضافتیں یہ قرار دیا گیا ہے کہ تین مسلسل اضافتوں سے زیادہ کلام میں لانا ممنوع ہے۔لیکن اس کی پابندی کم ہوتی ہے۔حضرت ریاض ایک جگہہ چار اضافتیں لکھہ گئے ہیں۔فرماتے ہیں:—

رہ گئے ہم گرد پس کارواں نقش کف را ہر و دامان سخن

نقش کف پا بھی نہیں نقش آب　　خاک سر آب روان سخن

دیکھئے چھوٹی بحر کے ان مصرعوں میں بارہ اضافتیں آئی ہیں —

اضافت وہیں تولا بد لانی پڑتی ہے جہاں تشبیہ اور استعارہ سے کام لیا جاے اور ان صنعتوں میں ہندی اردو سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ہندی والے کس طرح اضافت کے بغیر ان کا نباہ کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ فارسی میں اضافتوں کی اتنی بھر مار کیوں نہیں ہوتی۔خواجہ حافظ اور نظیری کی غزلیں پڑھئے اضافت کی وہ بہتات ان کی ہاں ہرگز نہیں جو اردو میں مرزا غالب اور اقبال کے ہاں پائی جاتی ہے۔بلکہ خود مرزا صاحب کی فارسی کلام میں اضافتوں کا وہ ہجوم نہیں جو ان کی اردو کلام میں موجود ہے۔یہ ضرور ہے کہ جب آپ نے دو تین کے سوا باقی تمام حروف تشبیہ متروک قرار دیدے * جیسے آسا،سان،نمط۔صفت،رنگ وغیرہ تو پھر تشبیہ اور استعارہ کا بناہ ناممکن کے قریب ہوجاے گا۔ان سب امور کو نظر میں رکھہ کر راقم کی راے ہے کہ نثر میں اضافت وجوباً متروک قرار دی جاے اور نظم میں دو سے زیادہ اضافتیں نہ لائی جائیں۔نظم میں غزل بھی داخل ہے۔لیکن غزل گو شعرا سے میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ درست ہے کہ غزل میں معشوق سے بات چیت کی جاتی ہے اور وہ معشوق اناث کی جنس کا ایک فرد ہے۔فعل خواہ کسی صیغہ میں لایا جاے۔تو انسب ہے کہ ایسی غزل کو اضافت سے معرا رکھا جاے۔کیوں کہ عورتیں اضافت نہیں بولتیں۔ریختی کے دیوانوں میں اضافت کا نشان کہیں نہ ملے گا غزل کا معشوق اسی زبان میں بات سننا پسند کرے گا۔جو وہ خود بولتا ہے —

نون

نون کے عنہ رکھنے یا اس کے اعلان کا قاعدہ بھی کلیہ کی حیثت نہیں رکھتا۔یہ تو مانا کہ اضافت کے بعد اس کا اعلان نا جایز ہے؟لیکن اضافت

---

* اس بات میں راقم کا کلی اتفاق ادب کے تارکوں کے ساتھ نہیں ہے —

کے بغیر اس کے اعلان یا غنہ ہونے کے متعلق کوئی التزام نہیں رکھا گیا۔ بس یہی کہدیا ہے کہ بلا اضافت نون کا اعلان ہونا چاہئے مگر جن الفاظ کا نون روز مرے میں غنہ بولا جاتا ہے اس کا اعلان مکروہ ہے۔ ان الفاظ کی مکمل فہرست چاہئے تھی—

مت بعض ہندو فرقوں میں عورتوں اور ملک کے ایک خاص حصے میں اس لفظ کا جا وبیجا استعمال دیکھہ کر یہ حکم لگا دیا کہ مت نفی کے معنی میں متروک ہے۔ راقم بھی اس معنی میں اس کے ترک کا حامی ہے لیکن فعل نہی حاضر کے صیغہ کے استثنا کے ساتھہ اِس موقع پر مت کے بغیر نہی کی تاکید آدھی بھی نہیں رہتی—

اب میں اس قسم کی بحث کو بالفعل بند کر کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ابتک کوئی اصول اور قاعدہ الفاظ اور ترکیبوں کے ترک کرنے کا اردو میں وضع نہیں کیا گیا ہے۔ راقم کے نزدیک ایک لفظ یا مرکب کو متروک اعلان کرنے سے پہلے ان اصولوں کا لحاظ رکھنا چاہئے—

(ا) جو لفظ کریہہ الصوت ہو یا تقیل التلفظ جب کہ اس کا مترادف موجود ہو—

(ب) جس میں بذاتہ یا دوسرے الفاظ کے ساتھہ ملکر ذم کا پہلو نکلتا ہو—

(ج) علاوہ ان نقایص کے جو غرابت اور مخالفت قیاس لغوی کے تحت میں آتے ہیں ایسے الفاظ اور ترکیبیں جنکو پوری طور پر سمجھنے کے لئے عربی یا فارسی لغات دیکھنے ضرورت پڑے۔ یعنی اردو کو عربیرانی نہ بنایا جائے (عرب اور ایران کی زبان سے ماخوذ) —

(د) جو الفاظ سلاست، فصاحت اور ترنم کے منافی ہوں اور اردو کی شخصیت کے قیام میں حارج ہوں—

انہیں تجرجہ تعمیہ ہو سکتا ہے۔اصل میں ایسے اصول قایم کرنا کسی ایک انسان کا کام ہے ہی نہیں - انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ وہ ایک جامع اجلاس کسی مرکزی مقام پر منعقد کرنے کا انصرام کرے - جہاں ملک کے ہرحصے کے ادیب اور منصف جمع ہوں اور اس معاملہ اور زبان کے متعلق دوسرے امور کا فیصلہ پوری بحث مباحثہ کے بعد ہوکر قرارداد قایم کئے جائیں۔ راقم کے ذہن میں چند الفاظ اور باتیں ایسی ہیں جنہیں ترک کردینا چاہئے مگر میرے متروکات دوقسم کے ہیں لفظی اور معنوی - لفظی متروکات کا ذکر ہر شخص کرتا ہے اور انہیں سے اس مضمون میں ابتک بحث کی گئی ہے - مناسب بلکہ ضروری ہے کہ متروکات کے دفتر میں معنوی متروکات کی جدا مثل ترتیب دیجائے —

معنوی متروکات

معنوی متروکات	میری راے میں امور ذیل کا (التزام) بطور معنوی متروکات کے ہونا چاہئے —

(۱) خط عارض یامعشوق کی ڈاڑھی مونچھہ کا تذکرہ قطعاً ترک کردینا چاہئے - مشاہیر میں حضرت جلیل تک اس کا وجود پایا جاتا ہے - تاج سخن میں لکھا ہے —

نمود سبزۂ رخ پر سکوت ان کو ہوا
یہ خط وہ آیا ہے جس کاکوی جواب نہیں

امید کی جاتی ہے کہ غزلگو حضرات عاج کی یہ تجویز بلا چوں چرا منظور فرمائنگے —

(۲) معشوق کی کم سنی —

وہ کم سنی میں کھیل بھی کھیلیں گے تو یہی
مٹی کے تیغ و ناوک و خنجر بنائیں گے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں
انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے
سہمے جاتے ہیں ڈرے جاتے ہیں وہ عاشق سے
کمسنی ہے ابھی اس سن میں جھجک ہوتی ہے

جلیل

وہ کمسنی کے سبب واقف عتاب نہیں
دم سحر ہے ابھی گرم آفتاب نہیں

غزل کی یہ بیہودگی شرافت اور صالح مذاق کے اسقدر منافی ہے کہ ایراد و تعریض کی محتاج نہیں - اس اخلاقی جرم سے بچنا چاہئے—

۳۔معشوق کا روٹھنا سر آنکھوں پر-مگر گالیاں دینا اور کوسنا، سوقیت اور رکاکت کی خبر لاتا ہے-اس لئے ناشایستہ حرکت سے اُسے وجوباً باز رکھنا چاہئے-

۴-قصابی مضمون-یہ نام میں ایسے مضامین کو دیتا ہوں:-

نہ سوچے ہم کہ تہ تیغ ہوگی خلق اللہ
گھٹا نہ حوصلہ قاتل کے دل بڑھانے کا

معشوق نہ ہوا کسی شہر کے سالخ کا میر قصاب ہوا:—

لگائیں لاش پہ تلواریں اس نے مقتل میں
جو میرے بعد بھی آیا مرا ہی وار آیا

امیر

اتر کر اس نے مقتل میں جو کھینچا میان سے خنجر
قضا میداں سے بھاگی بیٹھ کر قاتل کے توسن پر

مہتاب داغ میں ۸۸ جگہ اس قسم کے قصابی مضمون آے ہیں-اس قبیل کے مضامین میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ معشوق کی جنسیت کے متعلق سامع کا ذہن ایک خاص جانب منتقل ہوتا ہے اور شاعر کے مذاق کو مذموم

ٹھراتا ھے۔ ستمگر اور ظالم کے ساتھہ سفاک اور قاتل معشوقوں کے نامون میں رھلے دیجئے، مگر یہ قتل اور سفاکی، بوندی کی کٹاری، سروی کی تلوار اور اصفہانی شمشیر سے نہیں ھوتی۔ اس کے لئے قدرت نے اُن کو اور ھتیاروں سے مسلح کیا ھے، جیسے تیغ ابرو، تیر نظر، شمشیر تغافل، سنان مژگاں۔ قدرت کی کارپردازی آپ کی اصلاح اور ترقی سے مستغنی ھے، یہ ھتیار آپ کے تیغ اور تیر سے زیادہ کاری ھیں اور معشوق کی جنسیت بھی قائم رھتی ھے —

۵۔ وصل۔ اس مضمون کے اشعار میں ایسی بد مذاقی اور عریاں نویسی سے کام لیا جاتا ھے کہ کوئی شاعر سینہ پر ھاتھہ مار کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی غزلیں اپنی ماں اور باپ اور بہن کے سامنے پڑھا کرتا ھوں۔ معشوق کا عاشق کے ساتھہ تلرار بیچ میں رکھکر سونا، خلخال پائے دوست کی جھنکار، منھہ اور زبان کے مضامین، اور زیادہ کیا لکھوں۔ بھلا ان باتوں میں شاعری کا کونسا کمال اور ادب کا کونسا معجزہ دکھایا جاتا ھے۔ راقم کی ناقص رائے میں اس قسم کے مضامین اور وصل کا یہ مفہوم یک قلم متروک قرار ھونا چاھئے۔ وصل کا اطلاق خلوت صحیحہ پر کرنا وجوباً متروک ھونا چاھئے اور اسکا مفہوم صرف اور مخفی عاشق معشوق کا ایک جگہ بیٹھنا جیسے دو پیارے دوست بیٹھتے ھیں۔ شکوہ شکایت اور پیار محبت کی میٹھی میٹھی باتیں، باغ میں ساتھہ پھرنا وغیرہ وغیرہ ھونا چاھئے۔ سونا، پلنگ اور شبستاں یا خواب گاہ میں معشوق سے تخلیہ کرنا وجوباً متروک ھوجانا چاھئے —

۶۔ جوبن کی نسبت یہ ضرور کہا گیا ھے کہ اس کا اطلاق شباب کی عام کیفیت تک محدود ھونا چاھئے، زنانہ سینے کی ایک خاص کیفیت پر نہیں۔ لیکن اسپر کاربند کوئی نہیں ھوتا۔ تذکرہ نویسوں اور رسالہ والوں کو چاھئے کہ ایسے شعر قلمزد کر دیا کریں۔ اپنے شاگردوں کی غزل بناتے وقت استادوں کو بھی اسکا اور نیز دوسرے امور کا خیال چاھئے، جن کا ذکر اس ذیل میں آیا ھے

ہے-مختصر یہ کہ معشوق کا سر اور گردن، ہاتھہ کو کہنی تک-پانوں ٹخنے تک، شاعری کی ملکیت ہونی چاہئے-کمر کو وحدۂ لاشریک کی مصداق پر مانکر اس کی نازکی کا تذکرہ کر سکتے ہیں-جسم کے باقی حصوں اور عضوں سے لادعوی ہو جانا چاہئے—

۷-معشوق کا لباس-معشوق کی کج کلاہی اور ایک پیچہ وغیرہ تو اب لوگ بھول گئے ہیں اور زیادہ توجہ زنانہ لباس کی جانب ہے-لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی من مانتے کپڑے پہناتے ہوئے شاعر غریب معشوق کو ننگا کر دیتے ہیں عریاں نویسی کا یہ دوسرا قبیح اور مذموم پہلو ہے-جب یہ تسلیم ہوچکا کہ معشوق ہمیشہ اناث کی جلس سے ہے تو اس باب میں اور بھی احتیاط درکار ہے-لوگ پوشاک کا ذکر کرتے کرتے جسم کے ان حصوں کا بھی صراحتاً یا کنایتاً ذکر کر جاتے ہیں جن کو اس پوشاک میں مستور رہنا چاہئے-نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کلام بالکل ننگا ہو جاتا ہے-دوپٹہ یا آنچل اس تذکرہ میں کافی ہے-یہ ساڑھی پہننے والوں اور دوسری قسم کی پوشاک والوں سب پر عاید ہوسکتا ہے-کیونکہ ہندوستان کی ہر زنانی پوشاک میں آنچل کا وجود ثابت ہے-دامن اور زیریں لباس کے گھیر کا بھی مضایقہ نہیں-یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی خاص فرقہ یا ملک کے حصہ سے مختص نہیں-پوشاک کی باقی چیزوں کا ذکر وجوباً متروک ہونا چاہئے—

۸-غزل میں ایک اور انوکھا سوانگ بھرا جاتا ہے-شاعر اپنے آپ کو پرند بنا کر صیاد کے جال میں پھنسا تا ہے وہاں سے پنجرے میں منتقل کیا جاتا ہے جہاں میاں مٹھو بنا چڑیمار کو کوسا کرتا ہے-کبھی "دشت جنوں" میں تنکے چننا بھول کر جو اس کا منصبی فرض تھا سچ مچ کے تنکے چننے لگتا ہے اس سے اپنا گھونسلا بناتا ہے-وہ تو خیریت گزری کہ اس نشیمن کو بجلی نے فنا کر دیا ورنہ عجب نہ تھا کہ انڈوں بچوں کی نوبت آ جاتی-فہم قاصر نے

کہ ان مضمونوں میں عاشقی اور شاعری کی کونسی شان اور نازک خیالی مضمر ہے۔ بلبل اگر پھول کی شیدا ہے تو ہو، آپ کو خدا نے انسان پیدا کیا ہے انسانیت کی باتیں کیجئے —

۹ — دل کی تجارت۔ ہمارے شعری عاشق دل کے معاملے میں بھی بد نظمی سے کام لیتے ہیں۔ دل دینے میں ایسی جھک جھک اور تکرار ہوتی ہے کہ چھٹ بھیا دکانداروں سے سودا کرنا بھول جاتا ہے۔ گلی کوچوں کا وہ نظارہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوگا جب پھیری والا سرمہ، مسی، فیتے اور چوڑیاں بیچنے آتا ہے یا ایک جہانیاں جہاں گشت "زری گوٹا پرانا" کی آواز لگاتا ہے۔ اکثر عورتیں اُن سے لین دین کرتی ہیں، دام چکانے میں پیسے پیسے پر وہ تکرار ہوتی ہے کہ الہی امان! یہی گت ان زبانی عاشقوں نے جو انفس جذبات اور لطیف حسیات کے لئے مردہ ہیں دل جیسی چیز کی بنا رکھی ہے۔ متاخرین تو لکھتے ہی تھے:—

غالب

کہتے ہیں نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے اس سے مدعا پایا

دل نہ ہوا کسی کی اچکن کا ٹوٹا ہوا بٹن ہوا کہ اس طرح پڑا مل جاے۔ اُستاد ذوق نے اس پر ترقی کی —

ذوق

مال جب اس نے بہت رد و بدل میں مارا
ہم نے دل اپنا اُٹھا اپنی بغل میں مارا

"ہم" نہ ہوے ٹٹ پونجئے پھیری والے ہوے کہ ایک کاھک سے سودا نہ بنا تو اپنا بقچہ باندھکر چلتے بنے اور آگے جاکر "سرمہ، مسی" پکارنے لگے داغ اور امیر کے ہاں بھی دل کا سودا ہوا ہے۔ جلال فرماتے ہیں:—

جلال

جلد دل کا فیصلہ کچھہ ہو چکے لے چکو سودا یہ جتنے کو چکے

کبھی عاشق آ بیٹھتا ہے کہ ایک بوسہ دو تو دل دوں-یہ باتیں نہایت رکیک ہیں' ان میں ابتذال کی پھٹکار ہے-دل بھی کوئی بیع و شرا کی جنس ہے-وہ جب کسی پر آتا ہے تو کسی کی اجازت سے نہیں آتا' اپنے آپ آتا ہے اور کسی کے روکے نہیں رکتا-قوت ارادی کا اس میں دخل نہیں' عاشق بپیاری نہیں ہوا کرتے-دیکھئے اللہ بخشے میر تقی کس خوش اسلوبی سے دل کے ہاتھہ سے جانے کا نقشہ اُتار گئے ہیں-شاعر پر اگر یہ روحانی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی تو اس کا بیان ہی کیا ضرور ہے اور پھر آپ بیتی نہیں کہہ سکتا تو جگ بیتی ہی کہے-لیکن عشق کے مسلک کو پینتھہ اور نخاس تو نہ بنا دے—

میر

پڑ گئی اُس پہ اک نظر اِس کی پھر نہ آئی اسے خبر اس کی
تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی وہ نظر ہی وداع طاقت تھی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھہ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھہ
بیقراری نے کج ادائی کی تاب و طاقت نے بے وفائی کی

یہ چند معنوی متروکات ہیں جن کی طرف شاعروں اور ادیبوں کی توجہ دلائی جاتی ہے-اس قبیل سے اور بہت سے امور احتراز کے قابل ہیں جن کا بیان طوالت کے خوف سے اس وقت ملتوی رکھا جاتا ہے—

لفظی متروکات

۱-نثر میں اضافت کا استعمال قطعاً ترک کیا جاے-اصطلاحیں' محاورے اور لفظوں کے مقررہ جگ مستثنیٰ ہیں جیسے علت غائی' نام خدا' گوشت خر دندان سگ وغیرہ—

۲-واؤ عاطفہ کے ساتھہ بھی اضافت کا سلوک کرنا چاھئے—

۳-تا بہ ابد-تا، بمعنی تک اور جب تک، تا چند وغیرہ فارسی روابط سے احتراز لازم ھے-یہ اُصول قرار پانا چاھئے کہ فارسی روابط اور مرکبات جہاں تک ھو سکے اُردو میں کم ملاے جائیں—

۴-نظم میں اضافت-غزل میں قطعاً متروک سمجھی جاے-نیچرل نظموں میں دو سے زیادہ اضافتیں ایک ساتھہ نہ لائی جائیں-اس کے متعلق آگے مفصل مذکور آ چکا ھے—

۵-نظم میں واؤ عاطفہ ایک دفعہ سے زیادہ مسلسل نہ آے-کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آیا ھے کہ پورے مصرعے کے تمام الفاظ تسلسل کے ساتھہ معطوف معطوف علیہ واقع ھوے-اس اسلوب سے مصرعہ فارسی ھو جاتا ھے—

آخر میں یہ عرض کرنا ھے کہ یہ مضمون اجتہاد کے طریق پر نہیں بلکہ استشہاد کے طور پر لکھا گیا ھے-راقم ممنون ھو گا اگر فن کے واقفوں، ادیبوں اور نظم، نثر کے لکھنے والوں نے اس طرف توجہ فرمائی-یہ نہ سمجھنا چاھئے کہ متروکات کے باب میں راقم کا یہ مذھب ھے:—

سر برھنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترک دنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولا، ترک ترک

میں ادب اور زبان کے معاملوں میں ''برچھیگردی'' کے سخت خلاف ھوں جس کا ثبوت خود میرا کلام ھے-ھاں زیادت جیسی کلام کا سقم ھے ویسی ھی فن کے قواعد کی توضیح کا-میں دیکھتا ھوں کہ ایک فریق ایک امر میں ایک حد پر جاتا ھے تو دوسرا دوسری حد پر-یہ بازگشتی حرکت قدرت کے قانون کا خاصہ ھے-شاید اسی نہج پر جناب عزیز نے ایک صدی کے مردہ لفظ کو پھر زندہ کرنے کا خیال کیا-فرمایا ھے:—

ہر داغ دل ہے گویا تاریخ میرے تن میں
جلوے ہیں رفتگاں کے پیدا اسی چمن میں

عربی کا ایک مشہور قول ہے "یجوزلشاعر مالا یجوزلغیرہ" یعنی جو دوسروں کو جایز نہیں وہ شاعر کو جایز ہے۔اس جواز کا جایز استعمال مفقود ہے۔اگر عریاں نویسی، ابتذال نگاری، با سلیقہ سرقہ اور زبان سے اخلاقی جرایم کا ارتکاب اس قول کا مفہوم ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ ورنہ اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر اس کا مفہوم انشا اور اسلوب سے علاقہ رکھتا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جتنی قیدیں نظم کہنے والوں پر عاید کی گئی ہیں وہ سراسر جابرانہ اور نا جایز ہیں اور اُس قول کے بالکل منافی۔نہ اس سے زبان کی ترقی ہو گی نہ تخیل شاعرانہ کی توسیع، ایسی کا جو بھو جو زبان جو ہمارے نقاد اور غیر مصنف ادیب بنانا چاہتے ہیں سرسبز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا دستورالعمل یہ ہونا چاہئے ع: مصلحت بین و کار آساں کن۔ورنہ خوف ہے کہ اگر اس خرج بخرج اور ترک بترک کی لے یونہیں بڑھتی گئی تو کہیں مرزا غالب کا یہ قول ہمارے حال کی مصداق نہ ہو جاے —

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

تیتری

(رقص و سکون کی دونوں حالتوں میں)

از

(حضرت ابوالسعانی اختر شہرانی الافغانی سلمہ)

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگ پریدہ ہے؟ بوے چکیدہ ہے؟
آغوش گل میں یا کوئی نقش دمیدہ ہے؟ عکس کشیدہ ہے؟
اُٹھے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے! پاشیدہ سامنے!
بیٹھے تو ایک لذت خوابیدہ سامنے! دامن کشیدہ ہے!

موج ہوا میں ہلکا سا طوفان رنگ و بو! ہیجان رنگ و بو!
اوج فضا میں چھوٹا سا نیسان رنگ و بو! جوصف کشیدہ ہے!
اک عکس ہے جما ہوا رنگیں غبار کا؟ کیف و خمار کا؟
یا شاخسار گل پہ عروس بہار کا! حسن رمیدہ ہے؟

ہلکی سی اک شعاع ہے طور کلیم پر، اوج نسیم پر!
رقاصۂ بسنت کا فرش شمیم پر، رقص پریدہ ہے!
موج شراب کی اسے اک تھرتھری کہوں؟ ننھی پری کہوں؟
یا موسم بہار کی اک تیتری کہوں؟ جو آرمیدہ ہے!!

ادبی بات چیت

۱ - فرانس

از

(جناب شاهد سہروردی صاحب)

مسٹر شاهد سہروردی هندوستان کے اُن چند نوجوانوں میں سے هیں جو اپنی بعض خصوصیات کی وجه سے نہایت قابل قدر هیں اور جو باوجود هندی هونے کے، اپنے وطن سے دور، یورپ کے ممالک میں محض اپنی قابلیت کی وجه سے عزت کی نگاه سے دیکھے جاتے هیں - فنون لطیفه اور ادب میں اُن کا ذوق نہایت پاکیزه هے - زبانوں کی تحصیل کا خاص ملکه هے - یورپ کی جتنی بڑی بڑی زبانیں هیں وه سب جانتے هیں اور صرف جانتے هی نہیں بلکه اس خوبی اسلوبی سے بولتے اور لکھتے هیں اور اُن کے ایسے اچھے ادیب هیں که اهل زبان بھی قائل هیں - اُنھوں نے میری درخواست پر اُردو کے اس نمبر کے لئے یه مضمون لکھه کر بھیجا هے - میری درخواست یه تھی که جنگ کے بعد یورپ کے ممالک میں ادبیات میں کیا انقلاب هوا، آج کل ادب کا رنگ کیا هے، کونسی ادبی تحریکات رواج پذیر هیں اور عام میلان کس طرف هے - مسٹر شاهد نے یه مضمون فرانس پر

لکھا ہے اور آج کل کے ادبی رنگ پر بحث کی ہے - دوسرا
مضمون وہ جرمنی پر لکھنے والے ہیں - میری درخواست پر
وہ یہ مضامین بہت صاف اور سلیس لکھیں گے جیسے کوئی
کسی کو خط لکھتا ہے —

اصل مضمون انگریزی میں تھا - ترجمہ ہمارے دوست
پروفیسر وہاج الدین (اورنگ آباد کالج) نے کیا ہے اور
خوب کیا ہے (اڈیٹر) —

اگر ہم موجودہ زمانے کے ان رسالوں پر جو کتابوں سے بحث کرتے ہیں ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں ان میں ایک چیز خاص طور پر تعجب خیز نظر آے گی اور وہ یہ کہ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد سے ہر ملک کے مصنفین ایسے واقعات پر قلم اُٹھانے لگے ہیں جو عام طور پر افسانوں کے دائرے سے باہر ہیں اور ان پر جو بحثیں ہوتی ہیں وہ ایک عجیب دلچسپ اور مخصوص انداز میں ہوتی ہیں - اب کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان مباحث کو جو پہلے صرف بچھارے مورخین، ماہرین حیاتیات اور منجمین کی بے مزہ اور صبر آزما کاوشوں کے لئے مخصوص سمجھے جاتے تھے، عام لوگوں کے سامنے بھی دلچسپ بنا کر پیش کیا جاے اور یہ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ تحریروں اور تصنیفوں میں ایک جان سی پڑ گئی ہے - اس میں شک نہیں کہ اس عمل کا آغاز جنگ سے پہلے ہو چکا تھا، چنانچہ ہم میں سے اکثر اشخاص ایسے ہوں گے جن کے دلوں میں فابر (Fabre) کی یاد اب تک موجود ہوگی - یہی وہ مصنف تھا جس نے حشرات الارض کی سوانح حیات کا مطالعہ انسانی نقطۂ نظر سے کیا، ہماری اور ان کی مختلف فعلیتوں میں ایک خاص مطابقت ڈھونڈ نکالی اور دنیا پر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ اختلاف اجزا کے باوجود کل کائنات ایک ہی

رشتۂ وحدت میں منسلک ہے، فابر کی طرح ایک اور مصنف فلے مارین (Flammarion) تھا، اس کے انتقال کو ابھی کچھہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا، اس سن رسیدہ منجم نے ستاروں کی دنیا کے بھید کچھہ ایسے دلچسپ اور مانوس انداز میں بیان کئے کہ پڑھنے والوں کے دلوں پر مصطلحات اور اصطلاحی جھلوں کی جو دھشت بیٹھی ہوئی تھی وہ نکل گئی اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ہول کھا کر عام لوگ علوم طبیعی کی حدود کی طرف جاتے ہوے ہچکچاتے ہیں —

اس میں شک نہیں کہ فابر اور فلے مارین جنگ سے پہلے کے مصنفین ہیں لیکن یہ لوگ ادیب نہیں بلکہ سائنس داں تھے - ان کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اپنے مخصوص مباحث کے اشکال کو کم کر کے انہیں عام پڑھنے والوں کی ذہنی سطح پر لے آئیں - ہمارے زمانے کے مصنف ان کی طرح ماہر خصوصی نہیں ہیں - وہ صرف اہل فن ہیں اور ان کی یہ آرزو رہا کرتی ہے کہ اپنے قلم کی ایک ہلکی سی جنبش سے اس علمی مواد میں جان ڈال دیں جو مدرسوں میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے اور محض اس وجہ سے کہ درس میں داخل ہے ہمارے لئے مردہ ہے اور ہماری حیات اور تخیل پر اس کا اثر کچھہ زیادہ نہیں پڑ سکتا —

جب ژان دارک (Jeanne D' Arc) کی سہ صد سالہ برسی بڑی دھوم دھام اور مذہبی اہتمام کے ساتھہ فرانس میں منائی گئی تو اس سے مختلف پاے کے مصنفوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس برگزیدہ دوشیزہ کے سوانح حیات پر کچھہ لکھیں - فرانس میں اس موقع پر جو رسومات ہوتی ہیں ان سے فائدہ اُٹھا کر یہاں لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آبادی کے غالب حصے کے رجحانات کیتھاک (Cotholic) مذہب کی طرف ہیں اور وہ جمہوریہ فرانس کی غیر مذہبی پالسی کی تائید نہیں کرتے - چنانچہ پارس

قدیم تحریروں اور ماخذوں پر نظر ڈالی تو اس ہر گزیدہ لڑکی کی شخصیت نے اس کو بہت متاثر کیا۔ ایسی ایسی چیزیں اس کی نظر کے سامنے آئیں کہ اس کی معقولیت پسند ذہن بھی ان کی تہ کو نہ پہونچ سکا۔ طعن و طنز سے کام لینا تو درکنار، اُس نے اس خدا رسیدہ دھقانی لڑکی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور بے بس اور مجبور ہو کر، اپنی عادت کے خلاف اس کے تقدس اور اپنے عجز کا مقر ہو گیا —

مسٹر برنارڈ شا نے بھی گزشتہ چھہ ماہ میں ژان ڈارک کی سوانح پر اظہار خیال کیا ہے، اس تصنیف نے یورپ کے علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ یہ ایک ڈراما ہے، جو یورپ میں ہر جگہہ کھیلا جا چکا ہے اور اب بھی کھلا جاتا ہے۔ یہ ایک انگریزی ایکٹرس مس سی بل تھارن ڈائک (sybil Thorndike) کے لئے لکھا گیا تھا جو المیہ پارٹ کھیلنے کا خاص ملکہ رکھتی ہے۔ مبصرین فن کی رائے ہے کہ وہ اپنے پارٹ کو کامیابی کے ساتھہ نہ کھیل سکی۔ یہ ڈراما برلن، پیرس، پریگ، ماسکو میں بہت مقبول ہوا ہے، مگر روم اور وانیا میں اسے ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ژان ڈارک کی زندگی جس پہلو سے پیش کی گئی ہے وہ مذہبی اعتقاد کے خلاف ہے —

مسٹر برنارڈ شا کی حیثیت بہ لحاظ صاحب فن ہونے کے اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ بحیثیت ایک پمفلٹ باز، اشتراکی، اور مصلح کے ہے، وہ ژان ڈارک، یا بقول خود "مقدس جون" کو دھقانی ذہانت اور عملی قابلیت کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہیں اور بس۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس خاتون کی زندگی میں کچھہ ساعتیں مکاشفہ اور الہام کی بھی ہوتی تھیں، لیکن شلر کی طرح وہ ان کے وجود پر زور نہیں دیتے۔ ان کی کتاب کے سب سین (مجلسیں) یکے بعد

دیگرے پڑھتے چلے جاؤ، کہیں تم دیکھوگے کہ ژان تارک بادشاہ کو سکھا پڑھا رہی ہے، خود بادشاہ کی سیرت یہ ہے کہ وہ ایک کند ذہن نوجوان ہے جو ہر وقت سیب چوستا رہتا ہے اور عجیب و غریب لباس پہنتا ہے۔کبھی تم ژان تارک کو اس رنگ میں دیکھوگے کہ وہ بڑے بڑے طرے اور دستار والے با رعب جنرلوں کو اصول جنگ کی تعلیم دے رہی ہے اور حربی مدارس میں جو قواعد جنگ ان لوگوں نے سیکھے ہیں انھیں بالائے طاق رکھہ کر، ان کی بجاے اپنی پر زور طبعی ذہانت کے بنائے ہوے اصول حرب پیش کر رہی ہے۔ مسٹر برنارڈ شا کی یہ خصوصیتیں صرف اسی تصنیف تک محدود نہیں ہیں، جو کچھہ وہ لکھتے ہیں اس میں ایک نہ ایک رجحان یا عمرانی مقصد ضرور پیش نظر ہوتا ہے، اس تمثیل (Play) کے پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حسب عادت اپنے زمانہ کے انتہای جدید خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مسٹر شا آئرش ہیں، انگریزی ظرافت نگاری ان کا پایہ بلند ہے اور یورپ میں عموماً اور جرمنی میں خصوصاً ان کی تحریریں نہایت مقبول ہوتی ہیں، لیکن ان کی ظرافت کا مزہ صرف انگریزوں ہی کو آ سکتا ہے۔اگر ظرافت کو چیستان کا مرادف مان لیا جاے تو اس میں شک نہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے ظریف ہیں، لیکن بد قسمتی سے ان کی ظرافت زیادہ تر سطحی ہوتی ہے، اور کہیں کہیں تو اسکی حیثیت محض ایہام کی سی ہو جاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ہنسنے ہنسانے کی باتوں میں بہت بڑا حصہ لیا ہے، لیکن انسانی غور و فکر کو بہت کم اُکسایا ہے۔ان کے خیالات کا سرمایہ زیادہ تر ماخوذ ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انگریز مصنفوں کے زمرے میں صرف وہی ایک ایسے ہیں جو یورپ کے خیالات حاضرہ سے با خبر ہیں۔اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ وہ آئرلینڈ میں پیدا ہوے۔اگر کسی کو مسٹر شا کے خیالات کا ماخذ دیکھنا ہو، تو اُسے چاہئے کہ اِبسن (Ibson) برایو (Brieux) ویگنر (Wagner)

مارکس (Marx) اور اسٹرن تن برگ (Strindenburg) کی تصنیفات کو پڑھ جاے-ان کتابوں سے اُسے معلوم ہوجاے گا کہ مسٹر شا کے جذبہ اشتراکیت کی سوت کہاں سے پھوٹی ہے-جب سے کہ روس میں اشتراکیت کا تجربہ شروع ہوا ہے' اسوقت سے یورپ میں تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے مخالفت پیدا ہوگئی ہے-اور یہ اس لئے کہ یہ طبقہ صلح جو ہے اور ہنگامہ آرائی کا اہل نہیں-عمال اور مزارعین کے ساتھہ ہمدردی ہو چلی ہے-ہم یہ نہیں کہتے کہ خیالات کا موجودہ بہاؤ صحیح راستے پر ہے یا غلط راستہ پر' لیکن اتنا ضرور ہے کہ مسٹر برنارڈ شا نے بھی اسی عام احساس سے متاثر ہوکر ژان تارک کی شخصیت کو دھقانی زندگی کا ایک کامل نمونہ بناکر پیش کیا ہے' اور اس کے مقابلہ میں نالایق " ماہرین فن " اور زوال آمادہ اشرافوں کا خاکہ اُڑایا ہے-اس کی تمثیل کی آخری مجلس میں فردوس کا ایک منظر دکھایا گیا ہے-یہاں ایک شخص جو جدید وضع کے لباس (فراک کوٹ اور ٹاپ ہیٹ) میں ملبوس ہے ژان تارک کی خدمت میں اس کی ولایت کی سند پیش کرتا ہے' وہ اس پر متعجب ہوتی ہے اور پھر سے زندہ ہونے کی آرزو کرتی ہے' اس کے منہہ سے یہ الفاظ سن کر ہمارا دور جدید کا نمائندہ خوف سے چلا اٹھتا ہے کہ اس کا دوبارہ دنیا میں آنا ایک عذاب عظیم ہو جاے گا-ایک طرف یہ گفتگو ہو رہی ہے' اور دوسری طرف چارلس شاہ فرانس شب خوابی کا لباس پہنے ہوے ایک بادل کے ٹکڑے پر سر رکھے ہوے لیٹا ہوا ہے' اور بو کاشو (Boccacio) کے ولولہ انگیز افسانوں کی ایک ضخیم جلد کے مطالعہ میں مشغول ہے—

ژان تارک کے سوانح حیات کو اس طرح علمی بحثوں کے موضوع قرار دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ان علمی حلقوں میں جو ولایت' اور اولیاء اللہ کے قایل ہیں ادبی رد عمل کا آغاز ہوا-بد قسمتی سے جن لوگوں نے اس خاتون

کی حمایت میں قلم اٹھایا ہے وہ استعداد، جوہر ذاتی، اور ظرافت، غرض ہر اعتبار سے مسٹر برنارڈ شا سے پچھے ہیں۔ایم پورشے (M-Porche) نے جوتمثیل "عالی ظرف دوشیزہ" (La Vierge an grand coeur) کے نام سے لکھی ہے، اس کی بڑی خامی مبالغہ آمیزی ہے۔اگر ایک طرف یہ کتاب اس سنجیدہ اور متین انداز سے خالی ہے جو شلر کی تصنیف کی امتیازی خصوصیت ہے تو دوسری طرف اس میں ژان تارک کی زندگی کے پر اسرار رخ کو اتنا بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے کہ اُس کی انسانیت پر پردہ پڑ گیا ہے حالاں کہ یہ انسانیت ہی اس کی زندگی کا حسین ترین پہلو ہے۔اس پارٹ کو ایک مشہور ایکٹرس نے ادا کیا، لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ہوسکی، اگرچہ اس حیثیت سے اسے ضرور کامیاب کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اس دوشیزہ کی شخصیت کو مسٹر شا کے خلاف دوسرے ہی انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ایک موسیو دل تیل (M Delteil) ہیں یہ اگرچہ نوجوان ہیں لیکن بڑی قابلیت رکھتے ہیں، ان کی تصنیف "خیرالامور اوسطہا" کی مثال ہے، سنجیدہ تاریخی واقعات کو متانت کے ساتھہ مذہبی اعتقاد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ان کی تصنیف ہی کی بدولت بہت سے ایسے اشخاص جو پہلے پورا اعتقاد نہ رکھتے تھے اب ژان تارک کے حامیوں کی صف میں مل گئے ہیں یہ عام فہم ہے۔اپنے موقلم کی ہاکی جنبشوں سے انھوں نے اس ولیہ کی شخصیت کو جیتا جاگتا، اور ہم سب کے لئے مانوس بنا دیا ہے اور اس طرح ان عام فہم اور مقبول عام تصانیف کی فہرست میں جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں ایک اور تصنیف کا اضافہ کیاہے —

جن لوگوں نے گزشتہ چند ماہ کے فرانسیسی ادب کا مطالعہ کیا ہے، ان کو یہ دیکھکر تعجب ضرور ہوا ہوگا کہ آج کل اس میں روحانیت (Romanticism) کا رنگ کتنا گہرا جھلکتا ہے، فرنسیسی مزاج خاص طور پر قدامت پسند واقع ہوا ہے، اس کے ثبوت کے لئے اس قوم کی مصوری،

سنگتراشی اور چمن بندی پر نظر ڈالنا کافی ہوگا' ان چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں صحیح منظر کشی اور جسم انسانی کے خط و خال کو ہوبہو بیان کرنے کا کتنا ملکہ ہے۔ رومانیت دراصل المانی اور اینگلو سیکسن لوگوں کا مذہب ہے۔ اور اگرچہ فرانسیسی ادب میں بھی وکٹر ہیوگو (Hugo) کی طرح رومان نگار ہوے ہیں' لیکن اس نے بہت جلد پارناسی* قدامت پسندی کی شکل اختیار کرلی۔ اس لئے کہ موخرالذکر طرز لوگوں کے مذاق اور ان کی ادبی ضروریات کی همنوا ہے' اگر خود وکٹر ہیوگو کی تصانیف سے تاریخی مناظر اور تاریخی اثرات کو خارج کردیا جاے تو اسکی حیثیت بھی ایک ایسے کلاسک (قدیم) مصنف کی سی رہجاتی ہے جو صناعوں کی طرح صورت نگاری میں خاص کمال رکھتا ہے۔ فرانسیسی رومانیت کل وجز پارناسیت (Parnassianism) نہیں ہے ' بلکہ اس کے رد عمل کے طور پر اس نے مثالیت†

---

* پارناسیت (Parnassianis) لفظ Parnassus سے مشتق ہے' یہ وہ ایک پہاڑ ہے جو یونان میں اتھنس کے شمال مغرب میں واقع ہے اور خداے نغمہ اپالو کا مسکن خیال کیا جاتا تھا' مذہب پارناسیت فرانسیسی شاعری کا ایک مشہور مذہب ہے اس مذہب کا مقولہ "L' Art pour l' art" " فن بحیثیت فن " ہے۔ اس خیال نے سب سے پہلے سنہ ۱۸۶۶ میں مذہب شاعری کی حیثیت اختیار کی صرف فنی حیثیت پرزور دیا جاتا ہے اور ذاتی تاثیرات اور اخلاقی پند و موعظت کو معیوب سمجھا جاتا ہے یہ مذہب فی الحقیقت رومانیت کی ایک شاخ ہے' اس کے بڑے بڑے حامی Catulle Mendes,Sully Prudhomme,Francois Coppee Armande Silvestr وغیرہ ہیں بعد میں اس مذہب نے مسخ ہو کر لفاظیت کی بالکل وہی شکل اختیار کرلی جس کے لئے ہمارا لکھنؤ بدنام ہے —

(مترجم)

† مثالیت (Symbolism) بحیثیت ایک مذہب ادبیات کے یہ چیز فرانس میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں پیدا ہوئی' اس مذہب کے حامی فطرت کے خارجی مظاہرات کو ایک باطنی اور روحانی حقیقت کی نشانیاں سمجھتے ہیں اور اپنی

(باقی صفحہ آئندہ)

(Symbolism) کی شکل اختیار کرلی ھے ' یہ صورت کے اعتبار سے رومانیت ھی ھے۔ پارناسیت کی طرح مثالیت میں بھی ادب کی ظاھری شکل کا مسئلہ تھا' اور اگرچہ یہ مذھب اپنی خیال آرائی کے لحاظ سے عجیب و غریب ضرور ھے ، لیکن اس میں ھمیں تحقیق و تلاش کا وہ پر جوش رجحان نظر نہیں آتا جو Novalis یا Coleridge کی تصنیفات میں ملتا ھے۔ مذھب مثالیت اپنا ایک علیحدہ اسلوب رکھتا تھا جس کی اساس اصوات تھیں—

رومانیوں کا رجحان جس شکل میں ظاھر ھوتا ھے وہ نئے ملکوں کی سیر کی خواھش ھے جہاں کی زندگی ھماری زندگی سے مختلف ھوتی ھے ' اور جہاں کے عورت مرد انوکھے اور دلکش طور طریقوں کے شیدا ھوتے ھیں ' یہ لوگ عجیب و غریب درختوں ' نئے نئے پھولوں ، غیر معمولی آرائش و زیبائش کے شوقین ھیں ' دیومالا ' خاندانی کہانیاں جو مائیں اپنی اولاد کو سناتی ھیں' انجان دلوں کے نغمے' یہ چیزیں انہیں مرغوب ھیں۔ چوں کہ مشرق کا رجحان بھی زیادہ تر یہی ھے اور وہ اپنے سونے اور جوھرات کے خزانوں اور بوقلمونیوں کے لئے مشہور ھے ' اس لئے وھاں کا شوق ھمیشہ سے رومانیت کے تخیل کو اکساتا رھا ھے چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ جس کتاب سے انگلستان میں رومانیت کی تحریک کا آغاز ھوا ، وہ بک فورڈ کا ناول "واتھک" ھے۔ یہ الف لیلیٰ کی وضع کا ایک خیالی افسانہ ھے جرمنی میں اس تحریک کا آغاز شلے گل (Schlegel) کی سنسکرت زبان کے متعلق تصانیف اور گوئٹے کے دیوان (West - Ostliche) " پیام مغرب " سے ھوتا ھے۔ فرانس میں اس کی سب سے

تصانیف میں اسی پس پردہ حقیقت کو اشکار کرتے ھیں۔ جیسا کہ خود صاحب مضمون نے بتلایا ھے ' یہ مذھب پارناسیت کی واقعہ نگاری کی ضد پر پیدا ھوا' یہ لوگ خواب' اور روحانی مکاشفوں کو اکثر بیان کرتے ھیں' اس مذھب کے مشہور مصنف —وغیرہ ھیں Maeterlinck ' Paul Verlaine ' Stephane mallarme '

پہلی مظہر و کڑ ھیو گو کی کتاب (Orentales) ھے —

شاید یہ فرانسیسی ادب کی تاریخ میں پہلا موقع ھے کہ آج کل کی ادبیات جس آرزو سے لبریز نظر آتی ھے وہ رومانیت کے مفہوم سے بہت قریبی تعلق رکھتی ھے ' اب عالم اور با کمال لوگ خوب سیر و سیاحت کیا کرتے ھیں اور دور دراز ملکوں کے حالات لکھتے ھیں - اج کل کے جوش کی شدت کو دیکھکر کسی کو یہ یقین نہیں آسکتا کہ طرز انشاء کی خشکی اور بے مزگی ھمیشہ سے اس ادب کی خصوصیات رھی ھیں اس چیز کی ابتدا اب سے بہت پہلے اسی زمانہ میں ھو چکی ھے جب گاگنیں (Gangain) نے اپنی ایک کتاب میں تاھی تی (بحر سکاھل کا ایک جزیرہ) کی عورتوں کا حال لکھا - آج کل دھامل (Dumahel) جن کے کلام میں عصر جدید کے سب فرانسیسی شعرا سے زیادہ جدت پائی جاتی ھے ' برابر سیر و سیاحت میں مصروف رھتے ھیں ' اور نئے ملکوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے ھیں - پال کلاندیل (Paul clandel) فرانس کے زندہ شاعروں میں سب سے زیادہ مشہور ھیں ' یہ صوفی منش بھی تھیں - کسی زمانہ میں سفر کی حیثیت سے ان کا قیام جاپان میں بھی رہ چکا ھے ' انھوں نے بھی نظموں کا ایک اعلی اور کسی قدر ادق مجموعہ شایع کیا ھے - (مشرق کے متعلق اپنی سب معلومات اس میں بیان کی ھے ' (L' Connaissance - esit) (مشرق کے متعلق معلومات) نثر نما نظموں کا ایک مجموعہ ھے - اس میں سر سری قلبی واردات کا بیان اور اقصائے مشرق کے علم و دانس کے تذکرے ھیں نا یہ کتاب بہت لاجواب چھپی ھے - توجے لیں (Dorgelis) ایک قابل اور نوعمر فرانسیسی مصنف ھیں - ان کی ایک کتاب (Sur Laroute Mandarius) (چینیوں کے نقش قدم پر) ھے ' یہ کتاب فرانس کے مشہور معمور رسالہ (L' Illustration) میں مضامین کی شکل میں شایع ھو چکی ھے - اس میں مصنف نے رنگین بیان کے ساتھ ھندی چین کمبوڈیا ' سیام اور چین میں اپنی سیاحت کا حال لکھا ھے - ایک اور صاحب

مان تھرلان فرانس کے سب سے زیادہ کثیرالاشاعت اخبار (L' Intransigient) میں هسپانیه کے دیہات اور سرحدی قصبات کے متعلق اپنے تجربات شایع کر رهے هیں- آج کل هسپانیه نے یکایک تمام یورپ کے تخیل میں جگه پالی هے اور اکثر افراد کے رومانی رجحانات کا قبلهٔ مقصود بن گیا هے - یه ملک قدیم روایتوں میں ڈوبا هوا هے' ادب اور فن کے اعتبار سے اس کا ماضی نہایت شاندار رہ چکا هے اور آج بھی جب که یورپ کے دوسرے حصوں میں جمہوریت کی آندھیاں اُٹھ رهی هیں' اس ملک میں پرانی اشرافی (Anistocratic) زندگی کا توازن بدستور موجود هے' گزشته سال ایک جرمنی کتاب (Der Unbe-kannte spanien (نا معلوم هسپانیه) لکھی جا چکی هے' اس کتاب کو جو حیرت انگیز قبولیت حاصل هوئی اس کی بڑی وجه یه تھی که اُس میں اس سرزمین هسپانیه کے حالات درج تھے- جو قریب هونے کے باوجود هم سے دور هے اور جہاں قدیم رنگینیاں اور سادہ عقیدے آج تک باقی هیں - مان تھرلان کے جن مضامین کا ذکر سطور بالا میں هو چکا هے اس قدر بصیرت کے ساتھ لکھے گئے هیں اور ان میں اس ملک کی رنگینیاں کچھه ایسے انداز میں بیان کی گئی هیں که نا ممکن هے که پڑھنے والے کے دل میں اس پیرے نیز (Pyrennese) پار ملک کے دیکھنے کی آرزو نه پیدا هو اور ملک بھی کیسا! جہاں پرانے پادری اور گرجا آج تک موجود هیں' جہاں کا رقص ولوله انگیز هے محبتیں سادہ هیں اور جہاں کی مہمان نوازی پرانے زمانے کے سورماؤں کی سی هے - یه وہ ملک هے جس پر آج بھی ایک پراسرار پردہ پڑا هوا هے اور جہاں لوگ آج تک سیاسی اور مذهبی "پیر پرستی" پر ایمان لاتے هیں—

سیاحت ناموں کے علاوہ زمانه حال کی دوسری تصنیفوں سے بھی یہی رومانی رنگ جھلکتا هے' فرانکوا ے ماریس نے ایک نہایت اهم اور دلچسپ کتاب "صحراے محبت" کے نام سے لکھی هے - یه صاحب Le baiser anx lepreux

(جذامیوں کے لئے ھدیۂ محبت) کے بھی مصنف ھیں' ان کا شمار زمانہ حال کے اُن مذھبی مصنفین میں ھوتا ھے جو عیسویت کے ان اُصولوں پر قائم ھیں جن کی مثال اور جن کی تعلیم "سینٹ فرانسس آف اے سی سی" کی زندگی سے ملتی ھے' محبت' مفاھمت اور تواضع ان کی زندگی کے اُصول ھیں' عشق میں مبتلا ھونے کے بعد انسان کو جو کشمکش اپنے مذھبی جذبہ انانیت پسندی سے کرنی پڑتی ھے اس کو یہ خاص طور پر سراھتے ھیں' یہ صاحب ایک مخصوص طرز تحریر کے مالک ھیں اور اگرچہ انھیں مشکل اور متروک الفاظ استعمال کرنے کا شوق ھے' تاھم ان کی تصنیفات کی سطح کے نیچے سنجیدہ مزاجی' ذھانت اور سرمدی حب الٰہی کے اعتقاد کی جھلک دکھائی دیتی ھے - وھی اعتقاد جو ایک دن انسان کو ھمیشہ ھمیشہ کے لئے آلام سے نجات دلائے گا—

کے سل (Kessel) کی کتاب Les Roi Avengles (نابینا بادشاہ) اپنی نوعیت کے اعتبار سے مذکورۂ بالا تصنیف سے کسی قدر مختلف ھے' لیکن رومانی تاثر اس میں بھی بھرا ھوا ھے' اس کتاب کی اشاعت نے لوگوں کو کو متعجب کر دیا ھے اور اس پر بہت کچھ بحث و مباحثے ھوتے رھتے ھیں' اس کتاب کو فرانسیسی مجلس عاملی کے ادبی انعام پانے کا موقع بہت کچھ تھا' لیکن چونکہ اس میں بہت قریب زمانہ کے تاریخی واقعات سے بحث کی گئی ھے' اس لئے رد اسے کر دیا گیا' اس میں سلطنت روس کے آخری زمانہ کا ذکر ھے - اصل قصہ ایک رسالہ کے افسر کے عشق کا ھے - یہ شخص اپنے ھی طبقہ کی ایک خاتون پر عاشق تھا' اسی سلسلہ میں سلطنت روس کی تباھی کی داستان بھی آگئی ھے - کے سل نے یہ کتاب کاونت ازواٹسکی سابق سفیر روس متعینہ پاریس کی لڑکی کے ساتھہ مل کر لکھی ھے' اسے زار روس کے دربار کے حالات اس خاتون سے معلوم ھوے اور اپنے تخیل سے کام لیکر اس نے ان حالات کو

ایک ترکیبی حیثیت دی، جو لوگ ان آخری ایام سے کچھہ بھی تعلق رکھتے تھے، ان سب سے مشورہ کیا۔ غرض کہ اس کد و کاوش کے بعد اِس نے اُس پرآشوب زمانہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی ہے جب فوج قلت رسد کی وجہ سے مجبور تھی اور بہادری کے ساتھہ درباری پارٹی کی خاطر اپنی جانیں قربان کر رہی تھی اور دوسری طرف دربار ہپناٹزم (نومیت) کے تماشوں اور راگ رنگ کی محفلوں سے اپنا جی بہلا تا تھا، خصوصاً اس نے راس پوتن کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ منصفانہ نظر اور بلند تخیل کا نمونہ ہیں۔ راس پوتن سابریا کا دھقان اور پادری تھا اس نے اپنے پر اسرار اور ساحرانہ علاج سے ولی عہد کو اچھا کر دیا تھا اور اس وجہ سے بادشاہ بیگم اور اس کے توسط سے زار پر اس کا اثر بہت کچھہ تھا، اس قوی ہیکل دھقان کی جو تصویر کے سل نے اپنے قلم سے کھینچی ہے۔ اس کے وہ کرتے جو شاہزادیوں کے ہاتھوں کی بوی ہوئی روئی سے بنے تھے، اس کی وہ رنگ رلیاں، لیکن ساتھہ ہی ساتھہ بہت لوگوں پر اس کے احسانات، اس کی زندگی، جو عورتوں میں گزری، لیکن اس کے باوجود اس کی بیوی اس کے متعلق یہی کہا کرتی تھی "اس سے زیادہ محبت کرنے والا شوہر ہونا ناممکن ہے" وہ اس کی سیرت جو خوبیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ تھی اور اس سیرت کے متزاد اجزا جو سب روسیوں میں پاے جاتے ہیں، وہ اس کی ترحم آمیز قوت و طاقت جو صرف کھیتوں میں زندگی بسر کرنے والوں میں ہوتی ہے، یہ سب باتیں جس انداز سے بیان کی گئی ہیں وہ ایسا ہے کہ بہت دنوں تک پڑھنے والوں کی یاد سے محو نہ ہو سکے گا۔ اس کی موت کا سماں بھی نہایت پر زور انداز سے کھینچا گیا ہے، عزرائیل اور ساحر کی جنگ، خوبصورت شاہزادہ یوسو پوت کا اسے زہر ملی ہوئی روٹیاں دینا، اس کا زہریلی شراب کا پینا، یکے بعد دیگرے بندوقوں کی تین گولیاں کھانے کے بعد بھی اپنے قاتل کو محبت کے ساتھہ

نام لے کر پکارنا، موت کی پرچھائیں کا محسوس کرنا، لیکن اپنے ارادے کے زور سے اس سے محفوظ رہنا، اسی حالت میں اس کوٹھری سے جس میں اس کو مقید کر دیا گیا تھا رینگ رینگ کر نکلنا اور نیم بستہ صحن سے ہوکر گزرنا، اس کے دماغ کا پاش پاش کر دیا جانا اور تب اس کی روح کا پرواز کرنا، یہ سب واقعات خاص زور کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں—

کے سل کی یہ تصنیف نہایت زبردست اور پر اثر ہے، اس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی بہت سی ایسی باتیں جنھیں ہم آسان اور قابل توجیہ سمجھتے ہیں، فی الحقیقت پیچیدہ اور دقائق سے بھری ہوئی ہیں، کے سل کے قلم میں توازن و تعدیل کا وہی احساس موجود ہے جو ہر صاحب فن میں ہوتا ہے۔ وہ کبھی کسی طرف جنبہ داری کے خیال سے مائل نہیں ہوتا، جن افراد انسانی کا وہ ذکر کرتا ہے وہ جتنے جاگتے انسان ہوتے ہیں، خواہ زار روس ہوں، یا فوج کے جنرل، یا پھر معمولی خدمتگار، اس کا منظر کشی کا احساس بھی جنچا تلا اور اعلیٰ درجے کا ہے۔ اس کی تصنیفات میں حد درجے توازن اور موسیقیت پائی جاتی ہے اور وہ ان گنتی کے چند مصنفین میں سے ہے جو اشیا اور مقامات کے طول طویل بیانات دیکر اپنی کتاب کو غارت نہیں کرتے۔ ذہنی حالت کا لحاظ رکھتے ہوے مناظر کی عضو بندی کرنا اور موسیقیانہ توازن کو قائم رکھنا یہ چیزیں اس نے فن افسانہ نویسی کے استاد ایوان ٹرجی لوف سے حاصل کی ہیں کیونکہ وہ (کے سل) روسی زبان جانتا ہے اور اس نے ضرور اس مصنف کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ سنیت پرس برگ کی راتوں کا جو حال اس نے لکھا ہے، وہاں کی بدنما برفستانی گاڑیاں، راتوں کے وقت کی بھیانک پرچھائیاں، زرد رنگ کی پھیکی روشنی جس سے کبھی تو اس مرطوب شہر کے قصر چمک اٹھتے ہیں، اور کبھی دھندلے ہوجاتے ہیں، وہاں کی سایہ دار شاہراہیں، رات کے سناٹے میں اس شہر کی پر سکوت شوکت و

عظمت، یہ سب چیزیں جس انداز سے پیش کی گئی ہیں وہ یقیناً اس قابل ہے کہ دورجدید کے فرانسیی ادب کی تاریخ میں یادگار کے طور پر باقی رہے۔ کیسل ایک نازک مزاج، حساس اور صاحب تخیل مصنف ہے اور یقین ہے کہ اس کا مستقبل نہایت شاندار ہوگا۔

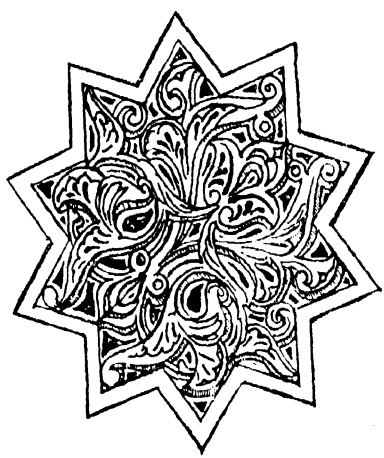

تبصرے

ادب

قاموس المشاهیر ۷۱۷
فہرست مخطوطات فارسی مخزونۂ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۷۲۳
مقتل فریب مغربی مصل خانے ۷۳۳
گوتم بدھ ۷۳۵
سرگزشت وزیر خاں للکران ۷۳۵
شہاب کی سرگزشت ۷۳۶

تاریخ

اسلامی خلافت کارنامہ حصہ اول ۷۳۹
ثانی اثنین، ذوالنورین، ابوالحسنین ۷۴۲
سیر الصحابہ ۷۴۳
تاریخ القرآن ۷۴۵

متفرق

مینا بازار ۷۴۷
تفریح دل ۷۴۷
سراج المنیر (حصۂ چہارم) ۷۴۷
بہارستان ۷۴۸
سفر نامہ مظہری ۷۴۸

اردو کے جدید رسالے

نورس ۷۴۹
قوس قزح ۷۵۱
حسن خیال ۷۵۲
الناظر کا انعامی مضمون ۷۵۲

——:o:——

ادب

قاموس المشاهیر

مرتبہ مولوی نظام الدین حسن صاحب نظامی بدایونی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۲۴ ع

جلد اول - صفحات - ۴ - ۳۲۴ - قیمت چھہ روپیہ

قاموس المشاہیر مشرق کی بیاگریفیکل ڈکشنری ہے - اس میں اون مشاہیر علماء فضلاء شعراء اور ملوک امراء کے تذکرے درج ہیں جنھوں نے بلاد مشرق میں نمایاں شہرت حاصل کی ہے —

اس قسم کی دو تین کتابیں اگرچہ اس سے پہلے بھی اردو میں شایع ہو چکی ہیں - لیکن یہ کتاب اپنی ترتیب کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب ہے اور اس کی تدوین ویسی ہی عمل میں آئی ہے جیسی کہ یورپ کی کتب اسنادیر میں ہوا کرتی ہے اور مولانا نظامی نے اس کو ترتیب دے کر ادب اردو میں ایک مفید اور کار آمد اضافہ کیا ہے —

ہم نے قاموس المشاہیر کے جستہ جستہ مقامات دیکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے . کہ اس کی تالیف میں پوری احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے اور اس وجہ سے اس میں بہت سی فروگزاشتیں ہوگئی ہیں - اکثر مشاہیر کے حالات نہایت تشنہ اور نامکمل ہیں اور ان میں اکثر ضروری اور اہم باتیں چھوٹ گئی ہیں — مثلاً

داغستانی مصنف ریاض الشعراء کا تذکرہ بہت ناقص لکھا ہے - یہاں تک کہ اس میں نام اور سنہ وفات بھی نہیں ہے —

تقی اوحدی کے احوال میں اس کے مشہور و معروف تذکرے عرفات العارفین و عرصات العاشقین کا ذکر نہیں ہے —

زلالی کے تذکرے میں اس کی مشہور مثنویات کا جو سبعہ سیارہ کہلاتی ہیں ذکر نہیں ہے —

کتاب میں ایسے بہت سے مقامات ہیں - ان کے علاوہ اکثر نام غلط ہیں اور اکثر مقامات پر واقعات بھی غلط لکھے ہیں - جو تذکرے انگریزی ماخذوں سے نقل کئے ہیں اور ان کے اسماء کو صحیح کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی ہے —

ذیل میں ہم بعض فروگذاشتوں کو نقل کرتے ہیں - امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس قسم کے نقائص دور کردے جائیں گے —

——:o:——

صفحہ	کالم	سطر	
۲	۲	۲۶	آذری رازی - صحیح فضائی رازی ہے - (تذکرہ عوفی جلد اول ص ۵۹) فضائری کے معنی ہیں کاشی ساز و کاسہ گر اور یہ منسوب ہے فضائر پر - فضائر جمع قیاسی ہے غضارہ کی - غضارہ کے معنی ہیں گل چسپیدہ - وہ ظروف سفالین جن پر کاشی اور چینی سے گل بوٹے بنائے جاتے ہیں غضار کہلاتے ہیں - بعض یورپین مصنفین نے غلطی سے غضائری کا تلفظ عین مہملہ کے ساتھ ادا کیا ہے - Uzdeeri Razi —
۱۷	۲	۲۵	ابوعسیبا موفق الدین ابوالعباس احمد (مصنف عیون الانبا فی طبقات الاطبا) صحیح ابن ابی اصیبعہ ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد خامس صفحہ ۹۲) —
۲۳	۲	۱۱	ابن رشید - ابوالولید محمد - صحیح ابن رشد ہے —
۲۷	۱	۲۱	ابن ہوکل و مشہور سیاح و جغرافیہ نویس) صحیح ابن حوقل ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد خامس صفحہ ۱۵۰) —
۳۲	۱	۱۰	ابوالفتح مصنف چار باغ اور ابوالفتح گیلانی کو علیحدہ
	۲	۱۲	علیحدہ لکھا ہے - لیکن حقیقت میں دو جدا جدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے - چار باغ ابوالفتح گیلانی کے مجموعہ رقعات کا نام ہے دربار اکبری صفحہ ۶۵۹ و ۶۶۵) —
۳۴	۲	۲۷	ابوالفرج سنجری کو چنگیز خاں کا معاصر بتایا ہے - حالانکہ وہ علصری کا اوستاد - آل سیمجور کا معاصر اور امیر یوعلی سیمجور کا مداح ہے اور سنہ ۴۱۰ سے پہلے فوت ہوا ہے - مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۷۰) اور اس کی وفات کے

صفحہ	کالم	سطر	
			قریباً دو سو سال بعد سانویں صدی کے شروع میں چنگیز خاں نے خروج کیا ہے۔(ابوالفدا جلد سوم صفحہ ۲۲۲)—
۴۶	۱	۱۴	آثار ماضیہ (حکیم ابو ریحان البیرونی کی ایک تصنیف کا نام) صحیح آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ ہے اور اسے پروفیسر سخاؤ نے سنہ ۱۸۷۸ ع میں چھپوایا ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد خامس صفحہ ۲)—
۶۳	۲	۱۰	احمد المکری (اندلس کا مورخ اور نفح الطیب کا مصنف) صحیح المقری ہے (فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۹)—
۷۶	۲	۶	ازرقی حکیم-ازرقی شاعر اور ازرقی مصنف اخبار مکہ ایک نہیں بلکہ دو علیحدہ علیحدہ شخص ہیں—
			ازرقی شاعر فارس کا نہیں بلکہ ہرات کا باشندہ اور طغان شاہ بن موید والی نیشاپور کا مداح و معاصر ہے۔(عوفی جلد دوم صفحہ ۸۶) طغان شاہ سنہ ۵۶۸ ہجری میں بر سر حکومت ہوا (ابوالفدا جلد سوم صفحہ ۵۳) اور سنہ ۵۸۱ ہجری میں فوت ہوا (روضۃ الصفا طبع ایران جلد چہارم صفحہ ۱۵۰)—
			ازرقی مصنف اخبار مکہ کا نام ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی ہے اور اس نے ازرقی شاعر سے کم و بیش تین سو سال پہلے سنہ ۲۲۳ ہجری میں انتقال کیا ہے—
			R. Dozyeat. Codicum Orientalium Bibliothecae Academiae Lugduno-Batavae Vol. 11. pp.169.
۷۹	۲	۲۸	اسمعیل بن حسین جرجانی (طبیب مشہور) کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے فارسی میں طب کی دو کتابیں اغراض الطب اور خف علائی لکھیں اور انہیں الب آرسلان کے نام سے معنون کیا-اسمعیل کو الب ارسلان (سنہ ۴۵۵ سنہ ۴۶۵) کا معاصر سمجھنا غلطی ہے-یہ سلطان علاء الدین تکش (سنہ ۵۶۸ سنہ ۵۹۶ کا معاصر ہے اور اسی کے نام سے اس نے کتابیں لکھی ہیں چنانچہ خوند میر کا بیان ہے کہ " سید اسمیل بن حسین بن محمد الجرجانی زمان تکش خاں را بوجود خود مشرف داشت و

صفحہ	کالم	سطر	
			بنام نامی آن بادشاہ عالیشان ذخیرہ خوارزم شاہی و کتاب اعراض الطبیہ و خفی علائی را بر صحایف روزگار نگاشت (حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صفحہ ۱۷۶)—
۱۰۰	۱	۱۹	تاج الدین عبدالوہاب بن آسکی مصلف طبقات الشافعیات- صحیح ابن السبکی اور کتاب کا نام طبقات الشافعیہ ہے -
			R. Dozy. Voll. 11 . pp. 302.
۱۱۳	۱	۱۰	انوری (مشہور شاعر) کا نام اشہدالدین لکھا ہے حالانکہ صحیح اوحدالدین ہے (عوفی جلد دوم صفحہ ۱۱۷)
۱۲۳	۲	۵	بختری (عرب کا مشہور شاعر) صحیح بحتری ہے
			R. Dozy. Vol. 11 pp. 5.
۱۳۲	۲	۶	بندرا بن داس-عالم گیر کے سنہ ۴۰ جلوس میں اس نے خلاصتہ التواریخ لکھی ہے اس میں ہندوستان کی تاریخ آریاؤں کے زمانے سے عہد عالم گیر تک ترتیب دي ہے- خلاصتہ التواریخ بندوا بن کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایسے سوجان راے نے تصنیف کیا ہے-بندرا بن نے جو تاریخ لکھی ہے اس کا نام لب التواریخ ہے-اور عالمگیر کے سنہ ۳۳ سال جلوس میں تصنیف ہوئي ہے-اس میں دس ابواب ہیں-پہلے باب میں سلطان معزالدین محمد سام کے عہد سے سنہ ۱۱۰۱ تک سلاطین دہلی کے حالات ہیں-بقیہ نو ابواب میں سلاطین دہلی کے ان ہم عصر بادشاہوں کا تذکرہ ہے جو ۱-دکن ۲-گجرات ۳-مالوہ ۴-خاندیس ۵-بنگال ۶-جون پور ۷-سندہ ۸-ملتان ۹-کشمیر میں بر سر حکومت رہے ہیں—
			(Wilson, Makenzie Collection – pp – . 375 Rieu , B.M. Cat . Persion . MSS . Vol . 1 . pp 228)
۲۱۱	۱	۷	کتاب لطایف الطوایف کو ملا حسین واعظ کاشفی کی تصیف لکھا ہے حالانکہ وہ ان کے فرزند ملا فخرالدین علی بن حسین کی تصنیف ہے (محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب صفحہ ۶۹۳ —
۱۴	۱	۱۹	خاوند شاہ مصلف روضتہ الصا کے حالات میں اوسکی

صفحہ	کالم	سطر	
			دوسری تصنیفات کے حسب ذیل نام لکھے ہیں - ماثرالملوک اخبارالاخیار - دستورالوزرا - مکارم الاخلاق - منتخب تاریخ وصاف - غرایب الاسرار - جواہرالاخبار - پھر انہیں کتابوں کو صفحہ ۲۳۰ کالم ۲ میں خوند میر مصنف حبیب السیر کی تصنیفات بیان کیا ہے —
۲۲۷	۲	۸	خواجہ محمد پارسا کے حالات میں اونکی تصنیف کا نام فصل الکتاب لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام فصل الخطاب لوصل الاحباب (محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب صفحہ ۵۰۷)
۲۳۰	۲	۸	" خوند میر (مصنف حبیب السیر) امیرخاوند شاہ مصنف روضۃ الصفا کا بیٹا اس کا پورا نام غیاث الدین محمد بن حمیدالدین خوند میر ہے " خوند میر خاوندشاہ کا بیٹا نہیں بلکہ نواسہ ہے اور اس کے باپ کا صحیح نام ہمام الدین ہے — (Elliot . Vol . IV . pp 142 .)
۲۳۳	۲	۷	دارا شکوہ نے فارسی میں اپنکھت کا جو ترجمہ کیا تھا اس کا نام سرالاسرار لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام سراکبر ہے چنانچہ بمقام بنارس ندوۃ العلما کا جو گیارواں اجلاس اپریل سنہ ۱۹۰۱ عیسوی میں منعقد ہوا تھا - اوسمیں ایک علمی نمائش بھی قایم ہوئی تھی اور اس نمائش میں سراکبر کا ایک قلمی نسخہ سنہ ۱۰۶۷ کا لکھا ہوا پیش ہوا تھا - جس کے خاتمہ پر کتاب کا نام اس طرح ثبت تھا " این ترجمہ اپنکھتہا ے ہر چہار بید کہ موسوم بہ سراکبر ست وتمام نورالانوار محمد داراشکوہ در مدت شش ماہ آخر دوشنبہ بست وششم ماہ رمضان سنہ یکہزار و شصت و هفت هجری در منزل تکبود باتمام رسانید " — رسالہ الندوہ جلد سوم نمبر دوم بابت اپریل ۱۹۰۶ صفحہ ۱۵ —
۲۷۱	۲	۳	سامانی (مصنف کتاب الانساب) صحیح سمعانی ہے اور پورا نام یہ ہے - ابو سعد عبدالکریم بن منصورالسمعانی

صفحہ	کالم	سطر	
			المروزی - سمعانی منسوب ہے سمعان سے اور سمعان بطق ہے قبیلہ تمیم کا (دول الاسلام امام ذہبی جلد دوم صفحہ ۵۴ مفتاح السعادہ جلد اول صفحہ ۲۱۱) —
۲۸۰	۲	۸	سبحانی (مشہور رباعی گو شاعر) صحیح سحابی ہے نجف کا باشندہ نہیں بلکہ استرآباد کا باشندہ ہے - نجف اشرف میں اس کی سکونت تھی — Rieu . Vol . ll . pp . 272 .
۲۸۶	۱	۲۵	سرخوش کے تذکرہ شعرا کا نام کلامتہ الشعراء لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام کلمات الشعراء ہے Rieu. Vol . 1 . 369
۲۹۲	۲	۱۸	سعدی شیرازی کے حالات میں ان کی دیوان ثالث کا نام قوانین لکھا ہے - حالانکہ صحیح نام خواتیم ہے (کلیات سعدی طبع بمبئی سنہ ۱۳۰۹ صفحہ ۳۷۳) —
۲۹۴	۱	۳	سکاکی کے حالات میں اس کی تصنیف کا نام مصباح العلوم لکھا ہے حالانکہ صحیح مفتاح العلوم ہے (مفتاح السعادہ جلد اول صفحہ ۱۸) —

خلفاے عباسیہ اور بہت سے علماے عرب کو اُن کے ناموں پر الف لام زیادہ کر کے حرف الف میں لکھا گیا ہے - جیسے البطنی - الراشد - الراضی - الماموں - المتوکل المستعصم - المقدسی - المنصور وغیرہ یہ تریقہ صحیح نہیں - کیونکہ یہ الف لام اصلی نہیں ہے - ان تمام اسماء کو ان کے حروف اصلی میں لکھنا چاہئے - البطنی کو حرف بے میں الراضی کو حرف رے میں الماموں و المنصور وغیرہ کو حرف میم میں علی ہذا القیاس —

لیکن باوجود اس کے ہم قابل مولف کی محنت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے - اُردو میں اس قسم کی کتابیں شاذ ہیں جن سے طلبہ کو اپنے علمی مطالعہ میں مدد مل سکے - مولانا نظامی نے اس کتاب کی تالیف سے بلا شبہ اُردو زبان میں اضافہ کیا ہے - پہلی طبع میں اُس نوع کی کتاب میں اس قسم کی فر و گزاشتوں کا ہونا معمولی بات ہے - اُمید ہے کہ دوسری طبع میں پورے طور سے صحت کر دی جاے گی —

کتاب مولف یا انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد سے مل سکتی ہے —

(ش - ق)

فہرست مخطوطات فارسی مخزونہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

Descriptive Catalouge of the Persion Manuscripts in the Collection of the Asiatic Society of Bengal, by Wladimir Ivanow, late Assistant keeper of the Mohammadan Mss., Asiatic museum, Russian Academy of Sciences, Calcutta, 1924 pp. xxxvii. 934. Rs. 42 – 8.

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں فارسی زبان کی جس قدر قلمی کتابیں ہیں اُن کی یہ توضیحی فہرست ہے - اسے ایک روسی مستشرق ولد یمرایوانو نے مرتب کیا ہے جو ایک عرصہ تک روس کی ایکادیمی آف سائنس کے ایشیاٹک میوزیم میں اسلامی کتابوں کے مددگار محافظ رہ چکے ہیں اور ادبیات اسلامیہ کی نسبت وسیع واقفیت رکھتے ہیں —

یہ فہرست ایسی جامع اور مکمل نہیں ہے جیسی کہ ریو، ایتھے وغیرہ مستشرقین کی فہرستیں ہیں لیکن پھر بھی اس میں ایسی معلومات جمع ہیں کہ اُن کی وجہ سے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کی اشاعت سے فارسی بیبلیو گرافی میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے —

اس فہرست کی ترتیب و تدوین میں مولف نے بالکل ریو اور ایتھے کی فہرستوں کا اتباع کیا ہے اور ہر کتاب کے بیان میں بالالتزام امور ذیل کی پابندی کی ہے —

(۱) کتاب کا نام اور اُس کا عہد تصنیف
(۲) مصنف کا نام اور اُس کا سنہ وفات
(۳) اُس بادشاہ یا امیر کا نام جس کے نام پر یا عہد میں کتاب لکھی گئی ہے
(۴) کتاب کے ایڈیشن اور ترجموں کی کیفیت
(۵) مشرق و مغرب کی تاریخی کتابوں اور فہرستوں کے ریفرنس جن کی وجہ سے کتاب اور اُس کے مصنف کی نسبت مزید واقفیت حاصل کرنے میں رہنمائی ہوتی ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب سوسائٹی کے علاوہ یورپ اور ہندوستان کے کون کون سے کتب خانوں میں موجود ہے —

اس کتاب کی ترتیب میں فاضل مولف نے کم و بیش چالیس کتابوں سے امداد

لی ہے اور جگہ جگہ ریو ایتھے فلوگل' پرچ' براون' ڈورن' پیزی وغیرہ مستشرقین کی ضخیم ضخیم تصنیفات کے حوالے دئے ہیں مثلاً

Rleu, Catalogue of the Persion
Mss . In the Brilish Museum.,
Ethe, Catalogue of the Persion
Mss . In the Library of the India office
Ethe, Neupersische Library,
Partsch, Die Hands chriften
Verzeichnisse der Koniglichen
Bibliothek Zu Berlin.
Dorn, Catalogue des Manuscrits
et XylograPhe Orientanx de
La Bibliothegue Imperiale
Pnblique de ft . Petersbourg.
Brouin, Literary Histry
of Pessia.
,, Catalogue of the Persion
In the Library of the
University of Cambridge
Pizzi, Storia deua Poesia
Persiuna,
Borthold, Turkestane, at the
Mongol Jnvasion,

مطبوعات کی کیفیت مسٹر ایڈ ورڈس Edwards کی کتاب Catalogue of the Persion Printed Books In the British Museum.
سے ماخوذ ہے۔ سلاطین کے سنین حکومت استینلی لین پول S . Lane, Pool کی کتاب Muhammadan Dynasties سے نقل کئے ہیں۔

اس فہرست میں (۱۷۸۱) کتابوں کا تذکرہ ہے - اور فنون کے اعتبار سے ان کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

تاریخ ۲۱۱ (1 - 211)

تراجم اور تذکرے	۶۶	(211 - 278)
جغرافیہ اور سفرنامے	۱۰	(279 - 289)
قصص اور حکایات	۴۳	(290 - 333)
ادب وانشاء	۸۶	(334 - 420)
ملفوظات	۵۳۳	(421 - 954)
دینیات (تفسیر - حدیث - فقہ وغیرہ)	۱۹۳	(955 - 1148)
تصوف	۲۰۷	(1149 - 1356)
حکمت وفلسفہ و اخلاق و لغت وغیرہ	۲۷۳	(1357 - 1630)
متفرق	۸۸	(1631 - 1719)
ضمیمہ اول (عربی - فارسی - پشتو - اور اردو کتابیں)	۲۸	(1720 - 1748)
ضمیمہ دوم (فارسی کتابیں)	۳۲	(1749 - 1781)

——:o:——

اس ذخیرہ میں جو کتابیں خاص اہمیت رکھنے والی ہیں اون کی تفصیل یہ ہے —

تاریخ

مجمل فصیحی (D 278 . 9) اس کو فصیحی خوافی نے سنہ ۸۴۵ ہجری میں مرتب کیا ہے - اس میں سنین کے تحت میں تاریخی واقعات جمع ہیں - نہایت نایاب و کمیاب کتاب ہے - اس کا ایک نسخہ بانکی پور کی اورینٹیل لائبریری میں بھی موجود ہے —

مجمل مفصل (D 275 , 43) سنہ ۱۰۶۵ ہجری کے قریب ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے - اس میں آغاز سال ہجری سے سنہ ۱۰۶۵ ہجری تک حالات جمع ہیں —

حدیقۃ الصفا (D 141 , 45) اس کو یوسف علی بن غلام علی نے سنہ ۱۱۷۳ ھ میں تصنیف کیا ہے - اس کے پہلے حصہ میں شاہان قدیم - خلفائے اسلام اور ان کے معاصر سلاطین عالم کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں ہندوستان کے شاہان تیموریہ کا تذکرہ ہے - تیسرے حصے میں ہندوستان کے ان فرمان روا خاندانوں کی تاریخ تحریر ہے جو بنگالہ دکن گجرات سندھ مالوہ جون پور - کشمیر وغیرہ میں برسر حکومت رہے ہیں - خاتمہ دو حصوں پر منقسم ہے - پہلے حصے میں حکماء کے حالات ہیں دوسرے میں شعرا اور صوفیہ وغیرہ کا تذکرہ ہے —

خلاصۃ الاخبار (D 154 , 106) اس کو محمد اسلم نے لکھا ہے - اس میں

امیر دوست محمد خاں کے کارنامے سنہ ۱۲۵۴ ہجری تک مذکور ہیں—

تاج المآثر (110 , D 34) سلاطین ہندوستان کی قدیم تاریخوں میں نہایت نایاب کتاب ہے۔اس میں سلطان شہاب الدین محمد بن سام اور اس کے جانشین قطب الدین ایبک اور شمس الدین ایلتمش کے حالات ہیں--

تاریخی مراسلات

انشاء قاسم طوسی (350 , F . 9) اس سے سلاطین دکن اور شاہان ایرانی کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے—

رقعات میر عبداللطیف (364 , F - 6) اس سے عہد جہانگیر اور شاہ جہاں کے سیاسی حالات معلوم ہوتے ہیں—

گلشن عجائب (392 , F - 40) اس میں مرزا فرخ سیر اور محمد شاہ کے مراسلات جمع ہیں—

تاریخی منظومات

تواریخ قطب شاہ (691 - D , 65) اس میں سلاطین قطب شاہیہ کے حالات ابتداء سے سنہ ۱۰۰۰ ہجری تک مذکور ہیں اور اسے ہیرا لعل خوش دل نے نظم کیا ہے—

انور نامہ (872 , N a , 7 -) سنہ ۱۱۷۴ ہجری میں تصنیف ہوا ہے۔اس میں انور الدین خاں والی کرناٹک کے حالات ہیں--

نجیب نامہ (870 , N a, 86) اس کا دوسرا نام نامہ طرفہ ہے۔سنہ ۱۱۸۵ ھ تصنیف ہوا ہے۔اس میں نجیب الدولہ نواب نجیب خاں روھیلہ کے حالات میں مذکور ہیں—

ظفر نامہ (886 , N a , 87) اس میں عہد جنرل لیک (Lake) کے واقعات مذکور ہیں جو سنہ ۱۸۰۰ ع سے سنہ ۱۸۰۷ ع تک واقع ہوے ہیں—

شعرا اور صوفیہ کے تذکرے

مذکرالاحباب (219 , D 98) اسے میر بہاء الدین حسن نقیب الاشراف بخارانے سنہ ۹۷۴ ع میں مرتب کیا ہے۔نہایت نایاب اور قابل قدر تذکرہ ہے اس کی ۳۰۸ صفحات ہیں—

طبقات الصوفیہ (234 , D 232) یہ تذکرہ پیر ہرات شیخ الاسلام ابواسمعیل عبداللہ بن محمد الانصاری المتوفی سنہ ۴۸۱ ہجری کی تصنیفات سے ہے اور دنیا کی نایاب کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے —

ابوعبدالرحمن محمد بن حسین السلمی المتوفی سنہ ۴۱۲ ع سے عربی زبان

میں صوفیائے کرام کا ایک تذکرہ لکھا تھا (Brockel mann . Geschichte der Arabeischen littera Tur —

(V0l 1 . PP . 200)

خواجہ عبداللہ انصاری نے اپنے مجالس وعظ و تذکیر میں بزبان فارسی اس کا ترجمہ فرمایا۔یہ ترجمہ ہرات کی قدیم زبان میں تھا۔مولانا عبدالرحمن جامی نے اوسے مروجہ فارسی میں لکھا اور اس کا نام نفحات الانس من حضرات القدس رکھا—

گلزار ابرار (259 D. 262,) اسے محمد غوثی بن حسن بن موسی شطاری نے سنہ ۱۰۲۲ میں مرتب کیا ہے۔ہندوستان اور خاص کر گجرات کے اولیا اللہ کا ایک ضخیم تذکرہ ہے —

شرایف عثمانی (277. D. 227,) مشاہیر بلگرام کا تذکرہ ہے۔اسے غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی نے تصنیف کیا ہے۔اور اس کی تصنیف کی وجہ الفاظ ذیل میں بیان کی ہے —

> مہر سید غلام علی متخلص بآزاد ... بسبیل نسب نامہ جمع فرمودند و بے اطلاع ما مردم اکثر اقوال سماعی و قیاسی کہ معتمد علیہ نبودند درج نمودند و بعد چندی یوم بزیارت حرمین شریفین آز بلگرام براہ دکن سفر حجاز گردیدند ... الان بحسب آب خور درآن ملک (دکن) استقامت دارند و از انجا کتابی مسمی بسائرالکرام في تاریخ بلگرام و نسخۂ سرد آزاد نام تالیف فرمودہ ببلگرام فرستادند۔چوں بلنظر جمعی از فضلا و بعضے از روساے بلگرام گذشت بسبب آنکہ اکثر اقوال خلاف واقع تاریخ و اسناد و وثایق فرامین بودند ہر یک بزرگان بملاحظہ آن بگرداب حیرت در افتادند کہ ہر گاہ بلیان ایشاں سر تا سر خلاف واقع و مخالف اسناد و تواریخ سلف است بجز آنکہ ساقطہ از اعتبار است چہ توان گفت قطع نظر بناے کتاب محتوی بر صدق و صواب می باید تا جماعتہ خلق را دلیل یقینی باشد و معتمد علیہ گردد۔ (الخ)

دواوین

شعراے ذیل کے دواوین نہایت نایاب و کمیاب ہیں:۔

دیوان قطران بن منصور تبریزی المتوفی سنہ ۴۶۵ ہجری (408, Nb , 111

دیوان مختاری' سراج الدین عثمان بن محمدالغزنوی المتوفی قریب سنہ ۵۴۴ھ هجری (1753. M. 19)—

دیوان سوزنی' شمس الدین محمد بن علی النسفی المتوفی سنہ ۵۶۹ هجری —(449. Nb, 71)

دیوان شرف الدین شفروه محمدفضل‌الله الاصفهانی المتوفی ۶۰۰ هجری (465. Nb. 13)

دیوان امامی-ابو عبدالله محمد بن عثمان‌الهردی المتوفی سنہ ۶۶۷ هجری —(489. Nb. 15)

کلیات عماد فقیہ--خواجہ عمادالدین کرمانی المتوفی سنہ ۷۷۳ هجری —(583. Nd. 14.)

دیوان آذری-شیخ جلال‌الدین حمزه بن علی البیهق المتوفی سنہ ۸۶۶هجری --(606. Nb. 1,)

دیوان سہیلی-امیر نظام الدین احمد المتوفی سنہ ۹۰۷ هجری وزیر سلطان حسین مرزا (643. Nb. 72,)—

دیوان عبیدی-عبدالله خاں بن محمود خاں شیبانی والی هرات (سنہ ۹۴۰ تا ۹۴۹) (1759. Oa, 14)—

دیوانی تقی اوحدی-تقی الدین بلبانی (733. Nb. 29)—

صوفیانہ نظمیں

مثنویات مولانا جمالی دهلوی (648 N. 75. 143) اس مجموعہ میں ۲۷ مثنویاں هیں منجملہ اون کے بعض نام یہ هیں-مصباح الارواح-کنزالادقایق-تنبیہ العارفین-روح القدس-مفتاح الفقر-فاتح الابواب وغیره—

کتب دینیہ

امام ابوجعفر محمد بن جریرالطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ کی تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ (955 Aa. 19) جس کو امیر منصور بن نوح سامانی (سنہ ۳۵۰-سنہ ۳۶۵) کے حکم سے علمائے بخارا و سمرقند وفر غانہ نے مرتب کیا هے-نہایت نایاب اور نادر الوجود کتاب هے-سوسائٹی میں اس کا مکمل نسخہ نہیں هے-بلکہ درمیانی جلد هے جس کے ۸۰۰ صفحات هیں-اور اس میں سورۂ آل عمران سے سورۂ کہف تک پندره سوروں کی تفسیر هے —

فن حرب

سوسائٹی کی نایاب ترین کتابوں میں "آداب الحرب والشجاعہ" (M. 160

1608.) ایک قابل ذکر کتاب ہے۔ یہ کتاب ۴۲۲ صفحات پر تمام ہوئی ہے۔ محمد بن منصور القرشی نے جو مبارک شاہ اور فخر مدبر کے لقب سے مشہور ہے اسے سلطان شمس الدین ایلتمش بادشاہ دہلی (سنہ ۶۰۷ ہجری سنہ ۶۳۳ ہجری) کے نام پر تصنیف کیا ہے۔ اس میں جنگ کے وہ آداب و قوانین مذکور ہیں جو ساتویں صدی کے مسلمانوں میں رائج تھے —

———:o:———

اس فہرست کی ترتیب و تدوین میں مولف سے متعدد مقامات پر غلطیاں ہو گئی ہیں مثلاً —

ترجمہ تاریخ طبری (No. 1)

اس کے متعلق لکھا ہے کہ ابوعلی محمد بن محمد بلعمی نے منصور بن نوح سامانی کے حکم سے سنہ ۳۵۲ میں ترجمہ کیا اور محمد بن عبدالملک الہمدانی نے اس میں مستظہر باللہ عباسی کے عہد خلافت تک حالات اضافہ کئے —

یہ سمجھنا کہ محمد بن عبدالملک ہمدانی المتوفی سنہ ۵۲۱ نے فارسی ترجمہ پر حالات اضافہ کئے ایک صریح غلطی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محمد بن عبدالملک سے تاریخ طبری کا تکملہ لکھا ہے لیکن وہ فارسی ترجمہ کا نہیں ہے بلکہ اصل عربی کتاب کا ہے اور ذیل طبری کہلاتا ہے اور حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کشف الظنون میں کیا ہے —

تاج المآثر (No. 155)

اس کے مصنف کا نام حسن (صدرالدین محمد بن حسن) نظامی لکھا ہے اور ایلیٹ کی تاریخ میں بھی یہی نام ہے (Elliot History of India. Vol. 11 pp. 204) —

اس کتاب کو صدر الدین محمد کی تصنیف قرار دینا ایک اہم تاریخی غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے صدرالدین محمد تاج المآثر کے مصنف کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے اصل نسخہ کے کاتب کا نام ہے اور اس نے کتاب پر ایک تقریظ لکھی ہے جو کتاب کے آخر میں بطور خاتمہ شامل ہے اور اس کا عنوان یہ ہے —

> "ذکر فصلی کہ ملک الافاضل والعلماء مولانا صدر الملتہ والحق ملا محمد بن محمد البحوبتی رحمتہ اللہ کہ نسخۂ اصل ملتسخ ملہ بخط اوست در مدح ایں کتاب و مولفش در آخر نسخۂ اصل نوشتہ است" —

اس تقریظ میں مصنف کتاب کا نام "نظام الحق والملتہ والدین الحسن

النظامی النیشاپوری" لکھا ھے-یہ حسن نظامی مشہور شاعر نظامی عروضی سمر قندی کا فرزند ھے جو ادب فارسی کی مشہور کتاب چہار مقالہ کا مصنف ھے (تاریخ گزیدہ- چھاپہ عکسی طبع لندن صفحہ ۸۲۶)—

جدول بادشاھان تیموری (No. 167.)

اس رسالہ کا صحیح نام "مجموعہ مرزا مہدی خاں صفوی" ھے-یہ نام تاریخی ھے اور اس سے سنہ ۱۱۴۲ سن تالیف بر آمد ھوتا ھے—

احقر خاندان مصطفوی و اقصر دودمان مرتضوی ابوالفاخر نظام الدین محمد ھادی الحسینی الصفوی الملقبی بہ شاہ مرزا و المخاطب بہ مرزا مہدی خاں صفوی از کتب سیر و سوانحی کہ بنظر رسیدہ بود بعد استخراج و استنباط بر نہج سطور ذیل ترسیم و ترقیم نمود و بالہام ملک مجید تاریخ اتمام این ارقام کہ رقم زدہ کلک تیرہ فام احقر انام است "مجموعہ مرزا مہدی خاں صفوی" موسوم گردید—

طلسمات خیال (No. 403.)

اس کے مصنف کا نام منشی نولکشور لکھا ھے-لیکن حقیقت میں یہ کتاب منشی کیول رام کی تصنیف ھے اور اس کے فرزند منشی نول کشور نے بعد اتمام اس پر خطبہ لکھا ھے اور اس خطبہ میں اس کی تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ھے—

بحمد اللہ کہ طبع قبلہ گاھی چہ نیکو پایۂ معنی بیفزود
پئے تاریخ سالش ھاتف غیبب طلسمات خیال وے بفرمود

(محبوب الالباب فی تعریف الکتب و الکتاب طبع حیدر آباد صفحہ ۴۶۴)

تذکرۃ الامرا جو امرائے دربار مغلیہ کا ایک ضخیم تذکرہ ھے-اسی منشی کیول رام کی تصنیفات سے ھے (Elliot. History of India, Vol. VIII, pp 192)

خمسہ نظامی (No. 466)

(۲) لیلے مجنون-اس کی نسبت لکھا ھے کہ یہ کتاب ابو المظفر شروان شاہ کے نام پر لکھی گئی ھے-لیکن یہ غلطی ھے-صحیح یہ ھے کہ مولانا نے اس کو اخستان شاہ کے نام پر لکھا ھے—

صاحب جہت جلال و تمکیں یعنے کہ جلال دولت و دیں
تاج ملکان ابو المظفر زیبندۂ ملک ھفت کشور
شاہ سخی اخستان کہ نامش مہریست کہ مہر شد غلامش

اخستان کا پورا نام خاقان کبیر جلال الدین اخستان شاہ ھے

اور یہ فرزند اور جانشین ھے خاقان اعظم فخرالدین منو چہر شروان شاہ کا خاقانی شروانی نے ان دونوں بادشاھوں کی مدح میں متعدد قصاید لکھے ھیں جو اس کے دیوان میں موجود ھیں —

(۳) خسرو شرین-اس کتاب کا سن تصنیف سنہ ۵۷۶ لکھا ھے-اور اس تاریخ کے معین کرنے میں غالباً ایو کا اتباع کیا گیا ھے-لیکن حقیقت یہ ھے کہ اس بارے میں ایو اور اس کے متبعین دونوں سے غلطی ھوگئی ھے-مولانا نظامی نے اس مثنوی کو اتا بک اعظم شمس الدین محمد جہان پہلوان بن ایلدگز کے زمانہ میں لکھنا شروع کیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے برادر اور جانشین مظفر الدین قزل ارسلان کے عہد حکومت میں اختتام کو پہونچایا —

مولانا نظامی نے مثنوی کے اخیر حصہ میں اس کے اختتام محمد بن ایلدگز کی وفات اور قزل ارسلان کی قدر دافی کے مفصل حالات لکھے ھیں-جن کا محاصل یہ ھے کہ جب مثنوی تمام ھوئی تو قزل ارسلان سے مولانا کو دربار میں طلب کیا-خسرو شرین کے اشعار سن کر تحسین و آفرین کی اور کہا کہ آپ نے میرا نام ھمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ھے-اور اس کا صلہ دینا میرا فرض ھے-اس کے بعد دریافت کیا کہ بھائی صاحب (محمد بن ایلدگز نے آپ کو دو گاؤں دینے کا ارادہ کیا تھا-وہ دیے یا نہیں-مولانا نے جواب دیا کہ شاہ سعید نے بیشک ایسا ارادہ کیا تھا-لیکن اس کے پورا ھونے سے پہلے ان کا انتقال ھوگیا-اس پر قزل ارسلان نے مولانا کو دو گاؤں عطا کئے

بلے شاہ سعید از خاص خویشم　　پذیرفت انچہ فرمودی زپیشم
چوں رخت عمر او کشتی روان کرد　　مرا نے، جملہ عالم رازیاں کرد

جہاں پہلوان محمد بن ایلدگز کا سنہ ۵۸۱ ع میں انتقال ھوا ھے (دول الاسلام ذھبی طبع حیدرآباد جلد ثانی صفحہ ۶۷-حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صفحہ ۱۲۶ اس اعتبار سے یہ مثنوی سنہ ۵۸۱ ع کے بعد تمام ھوئی ھے —

(۵) سکندر نامہ کی نسبت لکھا ھے کہ سنہ ۵۹۷ ھ کی تصنیف ھے اور اس کے بعد بیان کیا ھے کہ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ھے —

پہلے حصے (سکندر نامہ بری یا شرف نامہ اسکندری) کی نسبت لکھا ھے کہ اتابک نصرت الدین ابوبکر کے نام پر لکھا گیا ھے —

دوسرے حصے سکندر نامہ بحری یا خردنامہ اسکندری) کی نسبت لکھا ھے کہ سلطان عزالدین مسعود بن نورالدین ارسلان کے نام پر معنون ھے —

اس کتاب کی نسبت مولف سے دو غلطیاں ھوئی ھیں-اول یہ کہ دونوں

حصوں کو ایک هی سنه میں تصنیف هونا بیان کیا هے-حالانکه دونوں حصے دو مختلف سنین میں تصنیف هوے هیں-پہلا حصه سنه ۵۹۷ ھ میں اور دوسرا سنه ۵۹۹ ھ میں تمام هوا هے-دوسرے حصے کی تاریخ تصنیف خاتمه میں اس طرح مذکور هے—

زهجرت چنان بردهم یاد گار   لوز نه گذشته زیا نصد شمار

دوم یه که حصه دوم کو عزالدین مسعود کے نام سے منسوب کیا هے-حالانکه یه بادشاه اس حصے کے تمام هونے سے آٹھه سال بعد سنه ۶۰۷ ھ میں برسر حکومت هوا هے-(دول‌الاسلام ذهبی جلدثانی صفحه ۸۴ و صفحه ۸۵ تاریخ ابوالفدا-طبع قسطنطنیه جلد ثالث صفحه ۱۱۳)—

دیوان واقف (No. 877)

واقف کا نام نورالدین وطن پٹیاله (Patyala) اور سال وفات سنه ۱۲۰۰ م ۱۷۸۶ لکھا هے جو غلط هے—

واقف کا صحیح نام نورالعین وطن بٹاله هے اور سنه ۱۱۹۵ هجری میں ان کا انتقال هوا هے (خزانه عامره طبع کانپور صفحه ۴۵ نتائج الافکار طبع مدراس صفحه ۴۵۲)—

عروس عرفان (No. 1283)

اس کے مصنف کا نام اس طرح لکھا هے " محمود بن باقر محمد پیشگی قادری " شیخ محمد باقر محمود بحری کے والد نہیں بلکه مرشد هیں-قاضی محمود بحری نے سنه ۱۱۱۱ هجری میں ایک مثنوی دکنی زبان میں " من لگن " کے نام سے لکھی هے اور اس میں حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد کے سجائد و مناقب بیان کئے هیں اور اس کے ضمن میں ان کا نام محمد باقر لکھا هے (من لگن طبع مدراس سنه ۱۳۰۷ هجری صفحه ۷)—

قاضی محمود بحری کے والد کا صحیح نام بحرالدین اور لقب قاضی دریا هے-(تاریخ اردوے قدیم صفحه ۸۶)--

——:o:——

اکثر مشاهیر کے سنین وفات چھوڑ دیے هیں حالانکه وه تاریخ و تراجم کی کتابوں میں آسانی کے ساتھه مل سکتے هیں اور چند سنین جو همیں یاد هیں ذیل میں درج کرتے هیں—

(6) حمدالله مستوفی قزوینی سنه ۷۶۶   منظام ناصری در تحت سنه ۷۶۶ صاحب تاریخ گزیده

(513)شاہ ولی محمد اکبرآبادی سنہ ۱۰۵۷ مخبر الواصلین
مشارح مثنوی مولانا روم

(733)تقی الدین اوحدی بلبانی سنہ ۱۰۳۰ صبح گلشن طبع بھوپال صفحہ ۸۸
صاحب تذکرۃ الشعرء

(797)محمد سعید اشرف مازندرانی سنہ ۱۱۱۶ نتائج الافکار صفحہ ۳۷
استاد زیب النساء بیگم

(909)علاء الدین وصالی سنہ ۹۹۸ نتائج الافکار صفحہ ۲۸۹
صاحب ترجیع بند (ماءقیمان)

(1411) ابوالفر فراہی صاحب سنہ ۵۷۹ ملتظم ناصری در تذمت سنہ ۵۷۹
نصاب الصبیان

(1431) ملا عبدالرشید تتوی سنہ ۱۰۷۷ خزانہ عامرہ صفحہ ۴۲۴
صاحب منتخب الغات و فرھنگ رشیدی

کتاب میں ان کے علاوہ اور بہت سی اغلاط و فروگزاشتیں موجود ہوں-جن کی تصحیح اس مختصر سے مضمون میں غیر ممکن ہے - ہم امید کرتے ہیں کہ ارکان طبع ثانی میں ان کی اصلاح کر دیں گے—

(حکیم سید شمس اللہ قادری)

———:o:———

مقتل فریب مغربی معمل خانے

یہ ایک ۵۸ صفحہ کا چھوٹی تقطیع کا رسالہ ہے جس کے مصنف سید طالب علی صاحب طالب الہ آبادی ہیں' سائنس کی ترقی ' نئے نئے آلات کی ایجاد اور زمانۂ جدید کے تجربے اور تحقیق کے ذوق نے اس میں شک نہیں کہ انسانی معلومات کے دائرے کو بہت وسیع کر دیا ہے اور اس سے ہمیں بہت سے فائدے بھی پہونچ چکے ہیں' لیکن دوسری طرف اختیار و تجربے کے شوق کا ایک ادنی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی محض اپنے ذوق تحقیق کی خاطر بے زبان جاندار مخلوق پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے اور ان کے جواز کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ان باتوں سے اضافہ علم مقصود ہے' یہ کتاب اسی "طالبانہ شوق تشریح و تحقیق" کے خلاف ایک طرح کا احتجاج ہے' جناب مصنف نے علم تشریح الاعضا کو خاص طور پر ہدف ملامت بنایا ہے اور تجربے کے پردے میں بے زبان جانوروں پر جو مظالم ہوتے ہیں

انہیں اپنے مخصوص چبھتے ہوے انداز میں ظاہر کیا ہے ' کتاب میں دس بڑے بڑے عنوانات جیسے "قتل روح" " تجربات بے درد" کلب مغرور" گربہ مسکین" وغیرہ ہیں - ہر عنوان کے تحت جراحی عمل کی مختلف قسموں کا بیان اور تجربوں کا حال ہے ' یہ تجربے اکثر نا کامیاب ہوتے ہیں —

ہم اس موقع پر یہ بحث چھیڑنا نہیں چاہتے کہ جناب مصنف کا نقطۂ خیال خالص علمی انسانی اور اخلاقی حیثیت سے صحیح ہے یا غلط' لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ اس کتاب میں صرف تصویر کے ایک رخ کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے ' بے زبان جانوروں کا عامل کے تیز آلات کے نیچے تڑپ تڑپ کر جان دینا و قعی ایک پر اثر نظارہ ہے ' لیکن انسانوں کا ایسے امراض کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینا جن کی تحقیق کافی طور پر نہیں ہوئی ہے ' اس سے بھی زیادہ جگر خراش منظر ہو سکتا ہے ہندوستان میں جس رد عمل کی ابتدا جناب مصنف کی اس کتاب سے ہوتی ہے وہ انگلستان میں بہت پہلے شروع ہو چکا ہے - ورڈس ورتھ کے الفاظ سنئے —

Sweet is the love which nature brings
Our meddling Intelleet
Mis shapes the beauteons forms of thing
We munder to lisseet

فطرت کی کہانی تو سریلی ہے لیکن ہمارا ذہن دخل در معقولات کر کے اشیا کی حسین صورتوں کو بگاڑ دیتا ہے تشریح (چیر پھاڑ) کے شوق میں ہم قتل پر بھی اُتر آتے ہیں —

اس میں شک نہیں کہ یہ خیال قابل غور ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جذبات کے علاوہ عقل کا بھی ہم پر آخر کچھ حق تو ضرور ہے ' اسے بھی جانے دیجئے تو پوری انسانی نسل کیا اتنے ایثار اور مستحسن ظلم کی بھی مستحق نہیں!

کتاب کی عبارت شروع سے آخر تک طنزیہ ہے اور الجھی ہوئی ہے' عجیب و غریب ترکیبوں کا استعمال کیا گیا ہے "ہم ایک دن بحیرۂ حیات کی حدیث طبیعیہ والی تہ تک پہونچ کر رہیں گے" "ثمردار ترقی" "سایۂ باز انداختۂ آئینۂ جذبات" "خوش صوت جملے" وغیرہ کہیں کہیں انگریزی الفاظ کا عجیب و غریب ترجمہ کیا گیا ہے Foxhound سگ روباہ شکار یا Labaratony کا معمل خانے حالانکہ اس کے لئے صرف لفظ "معمل" کافی تھا کہ اس میں خود ظرفیت موجود ہے " دورۂ مغزیہ " رگ قلبیہ' رگ حلقیہ نفسیہ وغیرہ خدا معلوم کن اصطلاحات کے ترجمے ہیں' اصل الفاظ دئے جاتے تو مقابلہ ممکن تھا —

کتاب معمولی کاغذ پر چھپی ھے الناظر پریس لکھنو سے چار آنہ میں مل سکتی ھے —

(و)

گوتم بدھ

اس مضمون میں منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے ھندوستان کے سب سے بڑے اخلاقی رہنما کی مختصر سوانح عمری اور اسکی تعلیمات بیان کی ھیں - پہلے یہ الناظر لکھنو میں مسلسل شایع ھوتا رھا اور اب ایک دو جز کے رسالہ کی صورت میں علیحدہ طور پر الناظر پریس کی طرف سے شایع ھوا ھے ظاھر ھے کہ اس مختصر رسالے سے مہاتما بودھ کی سوانح نگاری کا فرض پوری طرح ادا نہیں ھوتا، اور نہ جناب مصنف نے اس کا دعویٰ کیا ھے، پھر بھی ان کی زندگی کے اھم واقعات سب کے سب اس میں آگئے ھیں، ولادت، ۲۹ سال کی عمر تک محل کی چار دیواری کے اندر رھنا، اتفاقاً آبادی کی طرف آن نکلنا اور انسانی مصائب کے نمونے دیکھنا، جوگ لینا، پھر سکون اور شانتی کی تلاش میں پھرنا، بودھی درخت کے نیچے عرفانی نور کا پرتو دیکھنا، ان سب چیزوں سے بحث کی گئی ھے، آخر میں اس کی تعلیمات کا نہایت مجمل بیان بھی ھے - کتاب کی عبارت بھی خاص طور پر دلچسپ ھے، اور چونکہ مضمون مختصر ھے اور نظر زیادہ گہری اور تاریخی نہیں ھے، اس لئے اس طرز کو شروع سے آخر تک خوب نباھا ھے، عام اردو داں حضرات اور مدارس کے طلبہ کے لئے اس کتاب کا مطالعہ فائدے سے خالی نہ ھوگا —

کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی غنیمت ھے الناظر پریس لکھنو سے ۴ آنہ میں مل سکتی ھے —

(و)

---:o:---

سرگزشت وزیرخاں لنکران

یہ ایک فارسی تمثیل ھے جس کے لکھنے والے مرزا جعفر قراجہ داغی ھیں - مرزاے موصوف شاہ کج‌کلاہ ایران فتح علی شاہ قاچار کے بھتیجے شہزادہ جلال الدین

مرزا کی سرکار میں ملازم تھے، شہزادہ کے ایما سے انہوں نے کئی ترکی تمثیلات کو ایرانی لباس پہنایا - جامعہ لکھنؤ کے پروفیسر محمد عبدالقوی صاحب فانی ایم-اے نے ان کے اس ڈرامے کو اپنے اردو ترجمے کے ساتھ چھپوایا ہے ' اصل کے مقابل ترجمہ بھی دیا گیا ہے جو خاصہ سلیس اور عام فہم ہے ' کتاب کے شروع میں ۳۲ صفحات کا ایک مقدمہ بھی ہے جو ڈرامے کی تاریخ سے متعلق ہے اس میں مختلف قوموں کے ڈراموں کا تھوڑا بہت حال بھی لکھدیا ہے ' چونکہ اس حصے کی حیثیت محض تقریبی ہے اس لئے فاضل مترجم اس جامع نہ بنا سکے ' بہرحال چونکہ اصل فارسی ڈرامہ جامعہ لکھنؤ کے نصاب میں شریک ہے ' اس لئے یہ مقدمہ ڈرامہ کی تقابل تاریخ کے لحاظ سے طلبا کے لئے ضرور مفید ہوگا —

اصل ڈرامہ کی زیادہ دلچسپ نہیں ہے ' لیکن اس حیثیت سے کہ اس میں معاشرتی حالات سے بحث کی گئی ہے سبق آموز ضرور ہے ' ویسے بھی فارسی ڈرامے باعتبار فن ابھی کچھ زیادہ ترقی نہیں کی ہے ' مستثر وطہ کا زمانہ تو ادب عالیہ کی اس صفت کچھ ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا جسے حقیقی معنوں میں ڈرامہ کہ سکیں کچھ ترجمے البتہ قابل قدر ہیں جیسے انگریزی کے ھنری دی فورتھ کا ' یا فرانسیسی ڈرامہ نویس موتیر کے پسل LıemMalade Imaginnaire کا ترجمہ طبیب اخبار زیر تبصرہ ڈرامہ واقعہ نگاری کی حیثیت سے اچھا ہے ' لیکن سیرت نگاری کے اعتبار سے کچھ نہیں ' ترجمہ کے علاوہ کتاب کے آخر میں بھی مشکل الفاظ کی ایک فرہنگ لگادی گئی ہے ' جس سے یہہ ڈراما طلبا کے لئے کافی طور پر آسان اور مفید ہوگیا ہے ' اہل ذوق حضرات جنھیں فارسی ڈراموں کا رنگ دیکھنا ہو ' اور طلبا جنھیں مصطلحات جدیدہ کے جاننے کی ضرورت ہو ' اس کو ضرور مفید پایں گے ' کتاب ۵ جز کی ہے ' لکھائی ہے ' چھپائی ' کاغذ سب کچھ اچھا ہے قیمت ایک روپیہ چار آنہ " آسی پریس - محمود نگر ' لکھنؤ " سے مل سکتی ہے —

(و)

———:0:———

شہاب کی سرگزشت

یہ افسانہ مولانا نیاز فتح پوری کی تازہ ترین تصنیف ہے ' پہلے مسلسل ان کے رسالے نگار میں شایع ہوتا رہا ' اور اب دفتر نگار کی طرف سے کتابی صورت میں شایع کیا گیا ہے —

افسوس ہے کہ اس افسانہ میں ہمیں پلاٹ کی کوئی ایسی خوبی نظر نہیں

آتی جس کی مولانا نیاز جیسے کہنہ مشق اہل قلم سے توقع ہو سکتی تھی - سوائے تقریروں یا خطوں کے اس کتاب میں کچھ نہیں ہے ' اور اگر ان حصوں کو حذف کردیا جائے جو برائے نام ربط قائم رکھنے کے لئے جابجا داخل کردے گئے ہیں تو اس کو افسانہ کو شہاب کی سرگزشت کے بدلے " تین تعلیمیافتہ دوستوں کی مکالمت " کہا جاسکتا ہے —

اس افسانہ کے سرورق پر یہ لکھا ہوا دیکھکر کہ یہ اردو زبان کا پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہے " ہمارے شوق کی کوئی حد نہ رہی تھی ' اس لئے کہ ہندوستان تو ایک طرف خود انگلستان ' حتیٰ کہ جرمنی اور آسٹریا میں بھی جو تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے مولد ہیں ' کسی نے اس اصول پر افسانہ نگاری کی ہمت نہیں کی ' لیکن تحلیل نفسی کے اصول تو درکنار ' ہمیں تو اس کتاب میں کوئی خاص بات ایسی بھی نظر نہیں آئی کہ جس کی بنا پر اسے نفسیاتی افسانہ ہی (psychdogieal novels) کہا جا سکے ' اس تقریبی جملہ کو استعمال نہ کیا جاتا تو اچھا تھا ' ہم نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا لیکن ہمیں تو اس میں کہیں بھی اشارۃً یا کنایتاً کی " تحت - شعوری یا غیر شعوری " کا شائبہ نظر نہ آیا —

کتاب میں شہاب کی سیرت کو عجیب و غریب انداز سے پیش کیا گیا ہے - وہ ایک فلسفی ہے ' لیکن ایسا فلسفی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں پیدا ہوئی اگر فلسفہ کا تصور جناب مصلف کے ذہن میں یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مروجہ اصولوں کے خلاف عمل کرے ' اور مروجہ خیالات کی مخالفت کرے ' فلسفی ہے تو ممکن ہے کہ شہاب بھی فلسفی ہو ' ورنہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس کی ہر گفتگو بتلاتی ہے کہ وہ اس نوجوان گریجویٹ طبقہ کا ایک ذہین فرد ہے جو فلسفہ کی دو چار درسی کتابیں پڑھکر ہر چیز کو فلسفیانہ طرز میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے اپنے مخاطبوں کے ہر قول کو اُلٹ دیتا ہے اور ہر رائج الوقت خیال یا رائے کی مخالفت کرتا ہے غرض سیرت نگاری میں مصلف کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے —

افسانے کی زبان کے متعلق تو کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں ہے ' صرف اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ ہمارے ملک میں آئے دن جو گوہرفشانیاں ادب لطیف کے نام سے کی جاتی ہیں ' اس کا بہترین نمونہ ہے ' وہی الجھے ہوئے ' عربی آمیز ' انگریزی نما جملے ' وہی فیرمانوس ترکیبیں ' چند مثالیں ملاحظہ ہوں —

" میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے پوچھتا ہوں اب
یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں شادی سے انکار کروں " —

"یہ صبح و شام اپنے صحیح فرائض زندگی کو بھول کر گھنٹوں تک سنورنے والیاں، یہ اپنے بے باک تبسموں، اپنی دلیرنگاہوں، اور اپنی جری وشوخ چتونوں سے دنیا کو مالوف کرلینے کی آرزو رکھتے ہوے خود کسی سے محبت نہ کرسکنے والیاں"........

"تبسموں کی روشنی اور ہلکے ہلکے قہقہوں کی آواز سے مضامین ایک موسیقی درخشاں دوڑ رہی تھی"

"میری فرصت تمہیں مخاطب کرنے کے لئے، یا تمہاری کسی تحریر کا جواب دینے کے لئے بہت تنگ نظر آتی ہے"...

اس وقت ہا اپنی سفید ساری میں خاص محویت کے عالم میں سمندر کے اندر ہلکے ہلکے ہچکولے لینے والے جہازوں کو دیکھ رہی تھی" ہم نے لفظیں پرخط کھینچ دیا ہے، انگریزی میں In her white sari کہہ سکتے ہیں لیکن اس جملہ میں لفظ" جلوس" کی سخت ضرورت ہے ورنہ مظروف نہایت مضحکہ خیز ہو جاتا ہے، -
"جس وقت اس پر دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہوا" یہ بھی انگریزی عبارت کی نقل ہے، اور کسم از کسم ہمیں خوش نہیں آتی - ایسی مثالیاں بے شمار ہیں - چند ترکیبیں ملاحظہ ہوں—
لرزہ مسترحم، ارتعاش ملتجی، سیلاب خندہ، تابناک اضطراب، —
"سینہ کی مثلث عریانی جو بلاوز کی تراش کا نتیجہ ہے "ملتہب تمنائیں" —

کاش فاضل مصنف اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ ٹیگور کے تصوفانہ گیتوں کے لئے جو زبان موزوں ہے وہ ہر جگہ بھلی نہیں ہوتی، اگر چندے یہی حالت رہی تو "ادب لطیف وہی" مسلم شکل اختیار کرلے گا جو فرانس میں مذہب پارناسیت (Parnassianism) نے اختیار کی تھی، اور خدا معلوم اس سے اردو کو کیا صدمہ پونچے -

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
سمائیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

مولانا نیاز کی علمی قابلیت سے کسی کو انکار نہیں، کاش وہ اسے صحیح راستوں

پر لے لائیں - ندی کے زور کی طرح قلم کا زور بھی صرف رخ کے پھیر سے مضر یا مفید ہو جاتا ہے '—

کتاب معمولی کاغذ پر چھپی ہے ' دفتر نگار بھوپال سے ۱ روپیہ میں مل سکتی ہے — (و)

———:o:———

تاریخ

اسلامی خلافت کارنامہ حصہ اول

مرتبہ مولانا محمد موسیٰ خاں صاحب رئیس دتاولی

اردو زبان میں جتنی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جاری ہیں ان میں بہت زیادہ خامیاں نظر آتی ہیں تحقیق سے بہت کم کام لیا جاتا ہے لیکن چند کتابیں ایسی ہیں جو معیار پر پوری اترتی ہیں ان کتابوں میں سے یہ ایک کتاب ہے جس میں موجودہ یوروپی مورخین کا رنگ اختیار کیا گیا ہے - مولف نے اپنی تالیف میں اسلام سے قبل دنیا کے مختلف مذاہب اوضاع و اخلاق پر مختصر بحث کی ہے اور ان کے مذہبی و اخلاقی عروج و زوال کو ظاہر کیا ہے کہیں کہیں نسل کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے اس بیان میں محنت و کاوش سے کام لیا گیا ہے مختلف انگریزی - عربی اور فارسی کتابوں کے حوالے دئے ہیں جہاں کہیں واقعات مشتبہ ہیں ان میں تصدیق بھی طلب کی گئی ہے - مولف نے مختلف اسناد دیکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا تاریکی و ظلمات سے گری ہوئی تھی - تینوں بر آعظم قعرمذلت میں پڑے ہوے تھے اور راہ راست سے بھٹک چکے تھے اس لئے انسان کی اصلاح کے لئے ایک رہبر کی ضرورت تھی - کتاب پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مولف نے منشائے نظر ضرورت بنی قرار دیکر مختلف واقعات کو یکجا کیا ہے اور ان سب سے ایک ہی نتیجہ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے - جو واقعات ان کے مقصد کے موافق ہیں وہ لے لئے گئے ہیں اور جو مخالف ہیں ان کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے اور واقعات کی ترتیب غیر فطری اور غیر ارتقائی ہوگئی ہے —

دوسری تاریخوں میں ہمیں ایک نقص بہت عیاں نظر آتا ہے یعنی

قدیم تواریخ کے حوالے غلط دے جاتے ہیں فاضل مولف نے اس کتاب میں قدیم تاریخوں میں سے اکثر حوالے دے ہیں اور ان میں بیشتر درست ہیں لیکن کئی جگہہ غلطیاں کی ہیں جن میں سے ہم صرف چند پیش کرتے ہیں— ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵ "عیسوی صدی سے تقریباً دو ہزار برس پہلے جب کہ تمام یورپ کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اس زمانے میں اس بر آعظم میں یونانی قوم کا ستارہ عروج پر تھا"—

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یونانی تہذیب کی ابتدا تو سنہ ۷۵۳ ق م کے بعد ہوتی ہے جب انہوں نے (Theseus تھیس کی سرکردگی میں قریطس کی سیادت کا جوا اتار پھینکا تھا—

صفحہ ۳۵ "اندلس میں پہلے آئی بیری اور لگوائی اور اس کے بعد یہاں فینیقی آے اور پھر یونانی اور پھر قرطاجنی" یونانیوں نے ہسپانیہ پر کب قبضہ کیا تاریخ تو اس قبضہ کے متعلق بالکل خاموش ہے-یونان کا صرف ایک جرنیل اسکندر تھا (اسکندر اعظم کے عزیزوں میں سے تھا) جس نے جزیرہ صقلیہ کا رخ کیا تھا-وہ ہسپانیہ تک نہیں پہنچا—

صفحہ ۸۷ "کارتھیجیا یا قرطاجنہ کی قدیم سلطنت جو افریقہ میں تھی اس کے رہنے والے لوگ بھی حسام ہی کی نسل میں ہوں گے جو اس افریقہ کی پرانی عظیم الشان سلطنت کے بانی تھے—"

قرطاجنہ کی تاریخ تو بالکل صاف ہے اس سلطنت کی بنیاد اس فینیقی امیر جماعت نے ڈالی تھی جو صور [Tyre] کی عمومی تحریک سے بھاگ کر افریقہ کو چلی آئی تھی اس لئے قرطاجنی سامی نسل میں سے ہیں کیونکہ فینیقی بھی بابل کے قریبی علاقوں میں سے آئے تھے—

فاضل مولف نے ایران کے افسانوں کو بالکل تاریخ کی حیثیت دی ہے-فردوسی کا شاہنامہ تاریخی واقعات کی بیخ و بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا ہے—

صفحہ ۱۲۴ ساکیامنی کی پیدائش کی تاریخ سنہ ۶۸۸ ق م مقرر کی گئی ہے اور تاریخ وفات سنہ ۵۵۰ ق م مقرر کی ہے حالانکہ جدید تاریخی تحقیق سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بدہ کی تاریخ پیدائش سنہ ۵۶۸ ق م ہے اور تاریخ وفات ۴۸۸ ق م ہے-یہ تاریخیں غالباً مہاویر کے متعلق ہوں لیکن تاریخ پیدائش پھر بھی غلط ہوگی—

صفحہ ۱۵۰ "پانچویں صدی قبل مسیح میں اس ظالم جابر اور مشرک سلطنت (بابل تہذیب ثانی) کا ایرانیوں کے ہاتھہ سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ

ہو گیا"—

بابل کا شہر سنہ۵۳۸ ق م میں کیخسرو کے ہاتھوں فتح ہوا نہ کہ پانچویں صدی میں—

صفحہ ۱۵۴ "یمن کے بادشاہ ابرہہ الاشرم نے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ مکرمہ پر خانۂ کعبہ کو ڈھا دینے کی غرض سے چڑھائی کی تھی"—

ابرہہ یمن کا بادشاہ نہ تھا بلکہ نجاشی کی طرف سے حاکم یمن تھا جس نے پہلے حاکم اریاط کو قتل کرکے نجاشی سے وہاں کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا تھا—

صفحہ ۱۶۵ "سنہ ۷۰ ق م میں یونانیوں نے حملہ کرکے اس جدید یہودی سلطنت کو نیست و نابود کر دیا"—

اس وقت یونانیوں میں کونسی قوت موجود تھی جو وہ بیت المقدس پر حملہ کرتے - سلا اور اس کے بعد پامپی نے سنہ ۷۸ ق م سے قبل ہی ان کی سلطنت کا قریب قریب خاتمہ کر دیا تھا - متھری ڈیٹس [Mithridates] باقی رہ گیا تھا اس کا بھی چند ہی سالوں میں خاتمہ ہوگیا—

کہیں کہیں مولف نے جغرافئی غلطیاں کی ہیں' ملاحظہ ہو

صفحہ ۱۴۸ "عرب کے شمال میں آبنائے سویز - جنوب میں دریائے فرات"—

اگر یہ ہے تو کیا شداد کے زمانے میں صنا اور عدن اسی دریا پر آباد کئے گئے تھے؟—

ایک جگہ انوکھا نظریہ قایم کیا ہے اور اس میں کوئی دلیل یا سند پیش نہیں کی—

صفحہ ۱۰ "لا مذہب اُصول کے لوگ اخلاقی یا کسی انتظامی قانون کی پابندی کے واسطے اپنے کو مجبور خیال نہیں کرتے تھے"—

اس سے غالباً مولف کے نشانہ ملامت ایپی کیورین ہیں یہ لوگ فی الحقیقت ایسے نہیں تھے جیسا کہ ان کو بیان کیا گیا ہے - ایپی کیورس کا فلسفہ یقیناً دہریت کی تعلیم دیتا تھا لیکن اخلاق کے متعلق اس نے نہایت سخت فلسفہ قائم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسان کی سب کوششوں کا مطمح نظر راحت ہے اور اسی مطلب کے لئے تمام نیکی عمل میں آتی ہے - نیز اس کا قول ہے کہ ہمیں شہوانی لذتوں سے بچ کر حقیقی مسرت کے لئے کوشش کرنی چاہئے—

کتاب میں نقائص ضرور ہیں لیکن پھر بھی موجودہ اسلامی تاریخوں کے مقابلے میں اس کی حیثیت بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس میں ہمیں مستند تاریخ کا

رنگ نظر آتا ہے۔مولف اس ترتیب کے لئے مستحق مبارک باد ہیں—
چھپائی عمدہ ہے کاغذ اچھا ہے۔کتاب مذکور محمدی پریس علی گڑہ سے ایک روپیہ آٹھہ آنہ میں مل سکتی ہے —

(ا)

———:o:———

ثانی اثنین، ذوالنورین، ابوالحسنین

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے تین لکچر ہیں جو انھوں نے لکھنو میں ایک منتخب مجمع کے سامنے پڑھے تھے۔پہلے لکچر میں حضرت ابوبکر صدیق دوسرے میں حضرت عثمان غنی اور تیسرے میں حضرت علی کے حالات ہیں تاریخی حیثیت سے یہ لکچر خاص وقعت رکھتے ہیں۔اُس زمانے کے حالات اور واقعات بہت وضاحت، صفائی اور تاریخی تنقید کے ساتھہ بیان کئے گئے ہیں۔جس تاریخ کا لگاؤ مذہب سے آپڑتا ہے وہاں مورخ کو بڑی دشواری پیش آتی ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذاتی خیالات یا عام تعصبات کی وجہ سے حالات و واقعات کو یا تو اصلی حالت میں بے لاگ طریقہ سے نہیں دکھایا جاتا یا ان کی توجیہ یا تاویل کرنی پڑتی ہے۔مولانا شرر کے یہ لکچر اس سے بالکل پاک ہیں۔صحابۂ رسول اللہ اور خصوصاً خلفاے راشدہ اُن نفوس میں سے ہیں جن کے کارنامے دنیا میں ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھے جائیں گے۔لیکن آخر وہ انسان تھے اور اس لئے مورخ کو ان کے حالات اسی نظر سے دیکھنے چاہئیں۔مولانا شرر نے نہایت صفائی اور آزادی سے واقعات کی تنقیح کی ہے اور اپنی راے کے اظہار میں کہیں تامل نہیں کیا ہے۔ اگرچہ یہ رسالے حجم میں کچھہ زیادہ نہیں لیکن ان کے پڑھنے سے ایسی بصیرت ہوتی ہے جو بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہوتی۔اس قسم کی تحریریں ملک کے لئے نہایت مفید ہیں۔ان سے لوگ بہت سے حالات و واقعات پر آسانی سے عبور کر سکتے ہیں اور بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جاتی ہیں۔جو صاحب آنحضرت (صلعم) کے بعد کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں اور خلفاے راشدہ کی سیرت اور اُن کے واقعات سے دلچسپی رکھتے ہیں انھیں یہ لکچر ضرور مطالعہ کرنے چاہئیں۔ہمیں یقین ہے کہ اِن سے اُنھیں ضرور فائدہ ہوگا—

———:o:———

سیر الصحابہ

مسلمانوں کے لئے یہ کچھہ کم موجب فخر نہیں ہے کہ انہوں نے تاریخ نویسی میں وہ رتبہ حاصل کیا جو اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ تھا - انہوں نے تاریخ کو فسانے کے دائرہ سے نکال کر فن کی حیثیت تک پہنچا دیا - اسلام کے پہلے ہی دور میں مذہبی تحفظ کے خیال سے روایات کی تحقیق، راویوں کی تنقید، تنقید کے اصول مرتب ہوے، رجال حدیث کے حالات قلم بند کئے گئے - تصنیفات و تالیفات کے دور اور طبقے قائم ہوے - غرض اس طرح فن رجال و اسانید کے دفتر تیار ہو گئے جس کی روشنی میں ہر مورخ تاریخ نگاری کا صحیح راستہ تلاش کر سکتا ہے اور اسلامی سیرۃ نگار جو ائمہ خلفاء یا مشاہیر اسلام کی سیرت لکھنی چاہتا ہو اس کے لئے تو یہ سڑک بالکل خس و خاشاک سے پاک ہے —

مولانا سعید انصاری نے جو اس کتاب کے مصنف ہیں اردو میں تمام صحابہ کی سیرت اور ان کے حالات لکھنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے جو حقیقت میں بڑا کام ہے یہ کتاب اس کی پہلی قسط ہے - اس میں پہلے ایک مقدمہ ہے - مقدمہ میں اُن جلیل القدر فقہاے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے جن کے ذریعہ سے علوم نبوی کی نشر و اشاعت ہوئی اور جو روایات اسلامی کی مستحکم عمارت کے لئے بمنزلہ سنگ بنیاد اور فن رجال و اسانید کے لئے ایک سر چشمہ کی حیثیت رکھتے ہیں - پھر مصنفین سیر و تاریخ محدثین اور ان کی تصنیفوں پر کچھہ تنقید کی ہے اُسی سلسلہ میں ایک عنوان "کتب رجال کے نقایص" کا قایم کر کے لکھا ہے کہ "اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید، عمل متواتر، احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ ہے لیکن رجال کی کتابوں میں متعدد روایتیں اُن کے خلاف ملتی ہیں" "اور اکثر مصنفین نے تو جرح و نقد کی زحمت بھی گوارا نہیں کی" ہم کو حیرت ہے کہ کتب رجال جن کی غایت محض جرح و تعدیل ہے ان میں اس قسم کی روایتوں کا کیونکر دخل ہو سکتا ہے - اچھی بری روایتوں کا میدان تو حدیث کی کتابیں ہیں - تعجب ہے کہ کتب رجال اور کتب حدیث کا فرق و امتیاز پیش نظر نہ رکھا گیا - بہر حال لایق مصنف نے پہلا نقص نص قرآنی کی مخالفت کا بیان کیا ہے جس سے اُصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن اس کے نظائر میں جو سماع موتی، آنحضرت کی امیت، نکاح، متعہ وغیرہ کی روایتوں کو پیش کیا ہے اس میں بہت کچھہ کلام کی گنجایش ہے اس لئے کہ اُن میں باہمی توفیق و تطبیق بآسانی ممکن ہے - اسی تصادم کے سلسلہ میں مصنف نے قرأت، خلف الامام اور

رفع یدین کی حدیثوں پر لمبی چوڑی بحث کر کے صحیح بخاری اور دیگر صحاح کے راویوں پر لے دے کرنے میں پوری طاقت صرف کر دی ہے - ہماری رائے میں ایک سیرۃ کی کتاب ایسے اخلاقی مسائل اور الجھاؤ کی بحثوں سے بالکل علیحدہ رہنی چاہئے - روایت اور درایت کی بحث میں مصنفین نے محدثین کے بیان کئے ہوئے اصول بتا کر لکھا ہے کہ "محدثین نے بے شبہ ان اصول سے احادیث کے نقد میں کام لیا ہے لیکن ان ہی لوگوں نے اسماءالرجال کی کتابوں میں ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اس کا یہ اثر ہوا کہ آج کتب رجال میں جو بے سر و پا باتیں ملتی ہیں وہ اسی غلطی کا نتیجہ ہیں"—

اگر یہ صحیح ہے تو بظاہر ان جملوں کا مفہوم اور کیا ہوسکتا ہے کہ رجال کی کتابیں جو روایات کے پرکھنے کا واحد ذریعہ ہیں' بے اعتباری کی آگ میں جھونک دی جائیں—

اسی ضمن میں مصنف نے روایتوں پر حکومت کے اثرات' کا سلسلہ چھیڑ دیا ہے اور نظیر میں واقعہ حرہ کی روایت کو پیش کرکے مجاہد پر جو دور اول کے مشہور مفسر ہیں محض اس لئے کہ اُن کے قلم سے اہل مدینہ کے متعلق لمداہنتہم کا لفظ نکل گیا ہے' یہ طعن کیا ہے کہ "یزید کی سیہ کاریوں کی داد دینے کا طریقہ اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے کہ تمام صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کو مداہن کہا جائے"—

مجاہد کے اصل الفاظ یہ ہیں وبعث یزیدالی اہل المدینة عشرین الفاً فاباحواالمدینة ثلاثا یصنعون ماشاء والمداهنتهم —

ہماری رائے میں تو مجاہد نے کوئی بیجا بات نہیں کہی-اگر سیاسی امور میں مدینہ والے مداہنت اختیار نہ کرتے اور ابتداہی سے جس چیز کے وہ دل سے مخالف تھے اس کے لئے کچھ بھی ہاتھ پانوں ہلاتے تو کیا عجب تھا کہ سیاست کی بساط پر کوئی ایسی چال پیدا ہوجاتی کہ یوں بنی ہاشم کو شہ مات نہ ہوتی اور اسلام کے اتنے مہرے جلد اور آسانی سے نہ پٹتے اور اشراف مدینہ پر یہ مصیبت نہ آتی-علاوہ اس کے مجاہد کے لفظ "لمداہنتہم" کا دامن اس قدر دراز کیوں ہوگیا جس کے لپیٹ میں تمام صحابہ' تابعین اور تبع تابعین آگئے—

اس کے بعد اسی تیر کا نشانہ حسن بصری رحمۃاللہ علیہ کو بنایا ہے-لکھتے ہیں کہ "حسن بصری ربیع بن زیاد والئی خراسان کے دفتر میں کام کرچکے تھے جو امیر معویہ کا نائب تھا اِس لئے اِس نمک خواری کا اثر دیکھو کہ وہ محمد بن ابی بکر کو فاسق بن ابی بکر کے نام سے یاد کیا کرتے تھے" پھر لکھتے ہیں کہ "جانتے ہو؟ یہ

فاسق کون تھا؟ محمد بن ابو بکر جو رسول اللہ کے صحابی، حضرت ابوبکر کے فرزند اور حضرت علی کے آغوش پروردہ تھے۔حضرت علی ان کی مدح کرتے اور فضیلت دیتے تھے''—

بے شبہ وہ ابوبکر کے بیٹے، اور شاید وہ مولانا کی تحقیق جدید کی رو سے صحابی بھی ہوں مگر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حسن بصری رح کے خیال میں وہ اپنے مشہور عمل غیر صالح اور نالایق کرتوتوں کی وجہ سے اہل ابی بکر نہیں بلکہ اہل فسق میں شمار ہونے کے مستحق ہوں۔ہمارے خیال میں تو اگر سرے ہی سے اس روایت ہی کو بے اصل ٹھیرا دیا جائے تو بہت اچھا ہو کیوں کہ صوفیانہ درایت کے لحاظ سے ہم کیوں کر صحیح سمجھیں کہ حضرت حسن بصری نے اپنے پیر و مرشد خاتم الولایت مولانا علی علیہ السلام کے ممدوح اور آغوش پروردہ کی نسبت ایسا لفظ زبان سے نکالا ہوگا۔حقیقت یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ اور تابعین میں اس قسم کے ظن و تخمین سے کام لے کر جادہ اعتدال پر قائم رہنا بہت کٹھن اور دشوار ہے—

روایت بالمعنی کی بحث میں آپ لکھتے ہیں کہ '' حضرت عایشہ، ابوھریرہ، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خذری، جابر، عبداللہ بن عمر، عمرو بن العاص روایت باللفظ نہ کرتے تھے بلکہ صرف مطلب ادا کیا کرتے تھے ''۔اس التزام کے ثبوت میں اِن حضرات کے اقرار وقبال کا حوالہ پیش کرنا ضروری تھا—

مقدمہ کے بعد مصنف نے مہاجرین اولین کے کچھ مناقب، قرآن وحدیث سے بیان کرکے شیخین کی سیرت لکھنی شروع کردی ہے اور چونکہ مصنف کا خیال ہے کہ تاریخ کی کتابیں ماخذ کے لحاظ سے زیادہ بلند رتبہ نہیں ہوتیں اور صحابہ کے حالات تاریخ سے زیادہ احادیث میں موجود ہیں اور صحت کے اعتبار سے پایہ بھی احادیث کا تاریخ سے بڑھا ہوا ہے اس لئے مصنف نے احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھا ہے اور سب سے زیادہ مستند کتاب، صحیح بخاری سے واقعات زیادہ تر انتخاب کئے ہیں اور اصل موضوع کے لحاظ سے یہی ایک خصوصیت، اس کتاب کے صحت و اعتبار کے لئے کافی ضمانت ہے—

(منظور)

—:o:—

تاریخ القرآن

اس کتاب کے مصنف مولوی مفتی عبداللطیف صاحب رحمانی نے بڑی جانکاہی اور محنت شاقہ اُٹھاکر ان شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے جو بعض

رطب ویابس احادیث اور آثار کی بنا پر قرآن مجید کے محفوظ ہونے کے متعلق پیدا ہوے یا ہوسکتے ہیں ' مثلاً اس قسم کی روایتیں کہ " قرآن آنحضرت صلعم کی زندگی میں کتابی طریقہ پر ایک جا جمع نہیں ہوا تھا' خلیفہ اول نے جمع کرایا—

یا یہ کہ " قران کی بعض سورتیں بہت بڑی تھیں وہ مختصر کرادی گئیں یا یہ کہ خلیفہ اول کے عہد میں بعض آیتیں لکھنے سے رہ گئیں تھیں خلیفہ سوم کے وقت میں لکھی گئیں " یا یہ کہ ,, قرآن کی آخری دو سورتیں یعنی معوذتین عبداللہ بن مسعود کے نزدیک قرآن میں داخل نہیں یا یہ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب ابی ابن کعب اور حضرت علی کے قرآن کی ترتیب کے خلاف ہے "—

لایق مصنف نے ان تمام احادیث و آثار پر بحیثیت روایت و درایت بحث و تنقید کر کے انکو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور اُن کے مقابلے میں وہ صحیح روایتیں اور محققانہ اقوال پیش کئے ہیں اور اُن تمام گرد و پیش کے حالات کو پیش نظر رکھکر یہ ثابت کردیا ہے کہ عہد نبوی ہی میں قرآن نے بحیثیت کلام الہی اور دستورالعمل اسلام ہونے کے ہر مسلمان کے قلب و دماغ میں جگہ کرلی تھی' ہر زبان پر اُس کا ذکر تھا- نمازوں میں اس کی قرآت اور اوراد میں اس کی تلاوت تھی' نماز کی امامت میں اس کی شرط تھی-فوجی عہدوں کے تقرر میں خاص طور پر اس کا لحاظ کیا جاتا تھا-عہد نبوت میں نہ صرف قرآن کے حافظ ہی بہت سے تھے بلکہ ایسے صحابہ بھی موجود تھے جنھوں نے پورے قرآن کو ایک جا لکھا اور جمع کیا جیسے ابوالدرداء' ابی بن کعب' معاذ بن جبل ' زید بن ثابت' عبادہ بن صامت وغیرہ-

مصنف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس زمانہ میں سامان کتابت وغیرہ بھی موجود تھا' اُس وقت بجاے موجودہ کاغذ کے حریر اور باریک جھلی پر کتابت ہوتی تھی-لکھنے والوں کی بھی اسوقت میں کمی نہ تھی چنانچہ صرف قریش میں (۱۷) کاتب تھے اور آنحضرت صلعم نے مدینہ میں چونکہ باضابطہ کتابت کی تعلیم کا انتظام فرمایا تھا بہت سے لوگ لکھنا سیکھ گئے تھے-ان لوگوں میں جن سے پیغمبر صاحب وحی وغیرہ کے لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے ان کی تعداد (۲۴) تھی-بہر حال مصنف نے اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا کہ قرآن مجید قرن اول میں اوراق و صحایف پر تمام و کمال لکھا اور جمع کیا گیا اور اس کے نشر و اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ عہد عمری میں ہزارہا نسخے قرآن مجید کے لوگوں کے پاس موجود تھے—

پس قران کے اس تواتر اور توارث عملی کے مقابلہ میں کوئی خبر واحد خواہ وہ کتنی ہی صحیحہ کیوں نہ ہو کسی طرح قابل لحاظ اور لایق اعتبار

نہیں ہوسکتی''—

اس رسالہ میں کتابت کی بعض غلطیاں ایسی رہگئی ہیں جن سے کہیں کہیں مطلب خبط ہوجاتا ہے—

(منظور)

———:O:———

متفرق

— —:O:——

مینا بازار

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کا نیا تاریخی ناول ہے-مولانا کے اکثر ناول تاریخی ہیں اور ان سے اردو داں طبقے میں تاریخ کا عجیب شوق پیدا ہوگیا ہے-اگرچہ اس ناول سے مولانا شرر کے کمال کا اندازہ نہیں ہوسکتا لیکن مینا بازار کا جو نقشہ انہوں نے کھینچا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے—

دلگداز پریس لکھنؤ سے ایک روپیہ میں مل سکتا ہے -

———:O:———

تفریح دل

حاجی خطیب قادر بادشاہ صاحب المتخلص بہ بادشاہ مرحوم رئیس وانمباڑی (علاقہ مدراس) نے اپنی فرصت کے وقت میں کچھہ لطائف مختلف قسم کے جمع کئے تھے وہ اب ان کے فرزند خطیب محمد عبدالرشید صاحب نے ایک رسالے کی صورت میں طبع کرکے شائع کرادئے ہیں-دل بہلانے کی اچھی چیز ہے-مگر کوئی خاص بات نہیں-قیمت ۲ آنہ خطیب محمد عبدالرشید نمبر۷۸ گوڈون اسٹریٹ مدراس سے مل سکتی ہے—

———:O:———

سراج المنیر (حصۂ چہارم)

یہ حافظ منیرالدین احمد صدیقی سندیلوی منیر' بیرسٹر ایٹ لا کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ہے-اس میں نعتیہ' صوفیانہ اور عاشقانہ سب قسم کی نظمیں

ہیں- کلام صاف ستھرا ہے اور حضرت ماہر کی طبیعت میں لگاؤ اور سوز ہے- معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل ان کے کلام کے تین حصے شایع ہوچکے ہیں' یہ چوتھا حصہ ہے- سید محمد عبدالوحید رضوی منصرم ریاست سروہی (راجپوتانہ) سے آٹھہ آنے میں مل سکتا ہے—

———:o:———

بہارستان

سدرشن صاحب کے قصے اور ناول اس سے پہلے ملک میں شایع اور مقبول ہوچکے ہیں- اور ان میں سے بعض پر اس رسالے میں تبصرہ بھی ہو چکا ہے- یہ ان کی کہانیوں کا نیا مجموعہ ہے- جس میں پندرہ چھوٹے چھوٹے قصے اور ایک مختصر ڈراما ہے سدرشن صاحب کو مختصر قصے لکھنے کا بہت ہی اچھا سلیقہ ہے- اس مجموعے میں بعض قصے بہت پر درد اور دلچسپ ہیں- اور ان میں قابل مولف نے انسانی فطرت کے بعض راز اس خوبی سے بیان کئے ہیں کہ پڑہ کر جی خوش ہوتا ہے- انہوں نے صرف دلچسپی اور تفریح ہی کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ ان کے مطالعہ سے اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتے ہیں- ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ سدرشن صاحب اپنے فن میں ترقی کر رہے ہیں اور اپنے قلم سے ملک کو فائدہ پہنچا رہے ہیں- اس فن میں انہوں نے ملک کے نامور قصہ نویس منشی پریم چند کی تقلید کی ہے جنہوں نے بہارستان پر ایک مختصر دیباچہ لکھا ہے—

کتاب مجلد چھوٹی تقطیع پر ۳۲۷ صفحے کی ہے- قیمت ایک روپیہ چودہ آنے ہے رام کتیا بک ڈپو' لاہور سے مل سکتی ہے—

———:o:———

سفر نامۂ مظہری

یہ حاجی مظہرعلیم انصاری مرحوم کا سفرنامہ ہے جو اُن کے بڑے بھائی مولوی محمد حلیم صاحب انصاری نے اپنے عزیز بھائی کی وفات کے بعد اُن کے روز نامچوں وغیرہ سے مرتب کرکے شایع کیا ہے—

مرحوم کی زندگی عجیب و غریب تھی- ہمیشہ چلتے پھرتے اور کام کرتے گزری- دل میں سیاحت اور آزادی کی امنگ تھی، ایک جگہ بیٹھہ کر پابندی کے ساتھہ کام کرنے سے طبیعت اکتاتی تھی- اس لئے چلد روز ملازمت کرکے اسے ترک کردیا تجارت کی طرف توجہ کی- ایسی تجارت نہیں کہ جسمیں دکان جماکر بیٹھنا

پڑے بلکہ مال لیکر شہر شہر پھرتے اور نہادانہ نہاپانی کھاتے پیتے اور کاروبار کرتے چلے جاتے تھے - لیکن ایک مدت بعد یہ مشغلہ بھی چھوٹ گیا، اور رسالہ مخزن میں ملازمت کی - یہاں بھی اُن سے زیادہ تر چلنے پھرنے ھی کا کام متعلق تھا - مخزن کو ان کی وجہ سے بڑی رونق ہوئی اور اس رسالہ کی مقبولیت اور عروج میں مرحوم کا بھی حصہ ھے - اس کے بعد مرحوم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سفیر ہوگئے اور کچھہ عرصہ کے بعد انجمن ترقی اردو کے سفارت اختیار کی یہ میدان اُن کے لئے بہت وسیع تھا - خوب کام کیا - ہرملک اور ہر قماش کے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا - ہرملت اور ہرقوم کے لوگوں سے صحبت رھی - یہی وجہ تھی کہ وہ مردم شناس بھی تھے اور زمانہ شناس بھی - بعض ایسے ایسے لوگوں سے انہوں نے قومی کاموں کے لئے چندے وصول کئے جو آن کو جان پر اور جان کو مال پر قربان کردیتے ھیں - وہ بہت بے تکلف زندہ دل اور بے لاگ آدمی تھے - جہاں جاتے لوگوں کو اپنا گرویدہ کرلیتے اور اس لئے ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا - اس سفرنامے میں جہاں جہاں وہ پہنچے ھیں اور جس جس سے ملے ھیں سب کا حال بے کم و کاست بیان کردیا ھے - ہرمقام کے آثار قدیمہ، تاریخی حالات معاشرت، جن جن سے ملاقات ہوئی ھے اُن کی سیرت، مختصر مگر بہت سلیقے سے بیان کی ھے - جولوگ قومی کام کرنا چاھتے ھیں، یا جو ھندوستان کی سیاحت اس غرض سے کرنا چاھتے ھیں کہ وہ اپنے ملک کو صحیح طور سے سمجھیں، یا جو چاھتے ھیں کہ ایک سرگرم قومی سفیر کا کارنامہ پڑھیں تو انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاھئے --

(کتاب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ناظم دینیات مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد سے دو روپیہ آٹھہ آنے میں ملسکتی ھے - صفحات ۲۴۱ مجلد -)

———:o:———

اردو کے جدید رسالے

———:o:———

نورس

جس طرح غلے اور میوے کی فصل ہوتی ھے یا شادیوں کا خاص موسم ہوتا ھے اسی طرح کتابوں کی بکری اور رسالوں کی اشاعت بھی فصلی ہونے لگی ھے -

گزشتہ دو سال سے اردو زبان میں رسالوں کی ایسی بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی ہے کہ ہر مہینے کوئی نہ کوئی نیا رسالہ نکل آتا ہے۔ اگرچہ بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی اُن کی ناپائیداری سے دل کڑھتا بھی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ جہاں کسی کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہوا تو سب سے پہلے رسالہ نکالنے کا خیال آتا ہے۔ پڑھنے والے کم اور اخبار اور رسالہ روز افزوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم زمانے کے ہاتھوں پنپنے پاتے ہیں اور سارا روپیہ، محنت اور جد و جہد رائگاں جاتی ہے اور اس کا اثر اُن رسالوں پر بھی پڑتا ہے جن کی بقا ملک کے لئے ضروری ہے لیکن ایڈیٹری کی ہوس مجبور کردیتی ہے اور ابتدا میں اس جوش کا روکنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے چڑھتے ہوئے دریا کا۔ اس کا نشہ دولت اور حکومت کے نشے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ جسے اس کا چسکا پڑ جاتا ہے پھر وہ کسی طرح چھڑائے نہیں چھوٹتا۔ بعض اڈیٹر (جن میں سے بعض سے ہم ذاتی طور پر واقف ہیں) ایسے ہیں کہ وہ دنیا کی ہر شے ترک کرنے پر آمادہ ہیں، مگر نہیں ترک کر سکتے تو رسالہ۔ البتہ ایسے رسالے جو کسی خاص مقصد سے نکلتے ہیں اور ملک یا کسی جماعت یا خاص حصۂ ملک کی حقیقی خدمت انجام دے رہے ہیں اُن کا جاری رکھنا لازم ہے —

رسالہ نورس جو حال ہی میں اورنگ آباد کالج سے شایع ہوا ہے ایک خاص مقصد مد نظر رکھتا ہے۔ اس کی غایت کالج کے طلبہ میں انشا پردازی اور ادب کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ اس پہلے نمبر میں زیادہ تر مضامین طلبہ ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ کالج کی عمر ابھی دو سال کی ہے اور اس لئے یہ نام بہت موزوں ہے اور اس کا مقصد قابل تحسین ہے۔ کالج میں پڑھ کر ہر شخص عالم و فاضل نہیں ہوسکتا، لیکن ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو شایستہ طریقے سے ادا کرسکے۔ اگر اس رسالے سے یہ مقصد حاصل ہوگیا تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اپنا فرض ادا کردیا۔ شروع میں علمی خبریں ہیں جن کا جاننا طالب علموں کے لئے بہت ضروری ہے۔ مضامین بھی دلچسپ اور مفید ہیں۔ آخر میں کالج کا ذکر ہے اور اس کے مختلف شعبوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تفصیل درج ہے طلبہ کے لئے یہ بہت اچھی چیز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ کالج کے پروفیسر اور طلبہ اس کی ترقی میں کوشش کریں گے اور اس کا ہر نمبر پہلے سے اچھا ہوگا —

انجمن ترقی اردو کے مطبع میں ٹائپ میں بہت صاف ستھرا چھپا ہے رسالہ دو ماہی ہے اور سالانہ قیمت تین روپیہ —

———:o:———

قوس قزح

یہ بھی ایک نیا ماہواری رسالہ ہے جو محمد وحید گیلانی صاحب کی ادارت میں لاہور سے شایع ہوا ہے۔ اردو میں نئے نئے رسالے اس کثرت سے نکل رہے ہیں کہ اڈیٹر کو اپنے رسالے کی تمہید یا مقصد بیان کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے قصور کی معذرت کرتا ہے یا خجالت رفع کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر ہمیں اڈیٹر صاحب قوس قزح کا یہ ابتدائی جملہ بہت پسند آیا "جس حالت میں ملک میں ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہوار رسالے اس کثرت سے نکل رہے ہیں، مجھ سے گمنام شخص کا ایک اور رسالہ جاری کر دینا بالکل بے حقیقت معلوم ہوتا ہے اور سوائے اس کے کہ یہ سمجھ لیا جاے کہ مجھے کوئی مفاد مد نظر ہو اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ یونہی سہی "مرگ انبوہ جشنے دارد" آپ یہی سمجھ لیں کہ جو مطمح نظر دوسرے رسائل کا ہوتا ہے وہی قوس قزح کا ہے"—

لیکن یہ جملہ عام بد گمانی کی وجہ سے قلم سے نکل گیا ہے ورنہ اُن کا ارادہ بہت بلند ہے "میرا عزم بالجزم ہے کہ قوس قزح میں ایسے نرالے، حیرت انگیز اور دلچسپ مضامین درج ہوا کریں گے جو کم سے کم پنجاب کے اور کسی اردو رسالے میں شایع نہیں ہوتے" یہ محض دعوی ہی نہیں بلکہ اس مقصد کے پورا کرنے میں انہوں نے ایک حد تک کوشش بھی کی ہے۔ شروع میں دنیا کے عجائبات اور دلچسپ معلومات کے تحت میں بہت سی کام کی اور دلچسپ باتیں جمع کر دی ہیں۔ افسانے بھی درج کئے گئے ہیں۔ ظرافت کی چاشنی بھی دی گئی ہے لیتھو کی چند تصویریں بھی ہیں۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے اور تا امکان رسالے کو دلکش بنانے میں اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا اس کے لئے درحقیقت کسی نئے رسالے کے جاری کرنے کی ضرورت تھی؟—

سب سے نئی اور انوکھی بات یہ ہے کہ "قوس قزح بفضلہ تعالی مضامین کے بارہ میں اردو رسائل یا اجرتی مضامین کا محتاج نہیں، اس کے پاس اپنا ذخیرہ مضامین کا اس قدر ہے کہ انشاءاللہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیگا"۔ یہ بے نیازی اور ہمت ہر طرح قابل تعریف ہے۔ سالانہ چندہ کی مقدار رسالے میں کہیں نظر نہیں پڑی—

———:o:———

حسن خیال

مشاعرہ ایک بہت دلچسپ صحبت ہوتی ہے - شاید اس کا وجود ہندوستان کے سوا کسی ملک میں نہیں - ان صحبتوں کی وجہ سے اردو شعر و سخن کو بہت فروغ ہوا' لوگوں کو زبان کی طرف توجہ ہوی اور تنقید کلام میں طرح طرح کی موشگافیاں کی گئیں - لیکن یہ ذوق لفظی تنقید سے آگے نہ بڑھا - مشاعرہ کا میدان ہمیشہ غزل تک محدود رہا اور اس تقلید میں کبھی اسے وسعت دینے کا خیال نہ ہوا البتہ ایک زمانے میں کرنل ہالرائڈ کے زیر ہدایت لاہور میں ایک مشاعرہ قائم ہوا تھا جسمیں بجاے مصرعۂ طرح کے نظم کے لئے کوی مضمون تجویز کیا جاتا تھا - چنانچہ مولانا حالی کی بعض بے مثل نظمیں اُس زمانے کی یادگار ہیں - بہر حال یہ صحبتیں اوستادوں کے زور سخن اور مبتدیوں کی مشق کے لئے خوب ہیں اور ہمارے زندہ دل شعرا کی بدولت اب تک قائم ہیں - کچھ عرصے سے ایک ایسا ہی مشاعرہ اورنگ آباد میں بھی قائم ہوا ہے اور اسی کی ایک صحبت میں جو کلام پڑھا گیا تھا اس کا انتخاب "حسن خیال" کے نام سے شایع کیا گیا ہے - یہ خوشی کی بات ہے کہ اس دور افتادہ اور اُجڑے شہر میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کا کلام پڑھنے کے قابل ہے - سکرٹری صاحب نے توقع دلای ہے کہ اگر یہ مشاعرہ مستقل طور سے قائم ہوگیا تو یہ رسالہ ماہانہ کردیا جائیگا - ہمیں امید ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب محوی جنھوں نے یہ شوق پیدا کیا ہے اور دوسرے احباب مثلاً حضرات اثر و انیس و شمیم وغیرہ اسے کامیاب بنانے میں ضرور کوشش کریں گے —

———:o:———

الناظر کا انعامی مضمون

اڈیٹر صاحب الناظر نے ہمیں اپنے پرچے کے انعامی مضمون پر ریویو کرنے پر توجہ دلائی تھی' لیکن ہم نے تبصرہ سے عمداً احتراز کیا کیوں کہ یہ بحث ایسی نہیں جو چند سطروں میں طے ہو جاے - مگر اڈیٹر صاحب نے اس کے بعد خط کے ذریعہ سے تبصرہ کی فرمائش کی - لہذا تعمیل ارشاد میں ہم ایک سرسری نظر اس مضمون پر ڈالتے ہیں —

مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کی اُردو شاعرانہ' نذیر احمد کی عامیانہ اور سوقیانہ اور حالی کی روکھی پھیکی ہے - اُردو میں اگر کوئی اعلیٰ ادیب اور انشا پرداز ہوا ہے تو وہ شبلی ہے - ظاہر ہے کہ ایسا فیصلہ بالغ نظر ادیبوں

کی نظر میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے —

علاوہ ادبی تنقید کے مضمون نگار نے مولانا نذیر احمد مرحوم کے حق میں سخت ناانصافی کی ہے - وہ شبلی کو علامہ، حالی کو مولانا، محمد حسین آزاد کو پروفیسر، (یہ بھی غلیمت) لکھتے ہیں - لیکن نذیر احمد کو ہر موقع پر ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں - جو شخص عربی کا اتنا بڑا جید عالم ہو، جس نے قرآن کا بے مثل ترجمہ کیا ہو اور اُصول و اخلاق اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی ہوں وہ اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ اس کے نام کے ساتھ مولوی یا مولانا کا لفظ لکھا جائے - حالانکہ فرنگی محل، ندوہ اور جامعۂ ملیہ کے معمولی طالب علموں کے ناموں کے ساتھ بھی مولوی اور مولانا کے لفظ لکھے جاتے ہیں - ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لفظ عمداً لکھا گیا ہے اور اس سے لکھنے والے کی نفس کی کیفیت اور اس کی نیت کا پتہ چلتا ہے - ایسے شخص سے کسی صحیح تنقید کی توقع رکھنا عبث ہے - مولانا شبلی زندہ ہوتے تو اُن سے بڑھ کر کوئی اس پر نفریں نہ کرتا —

آج کل یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ لوگ فصاحت و بلاغت، معنی و بیان، لفظ و محاورہ، ادب و انشا کے متعلق ادھر اُدھر سے چن کر اچھی خاصی باتیں لکھ جاتے ہیں لیکن موقع و محل کو نہیں دیکھتے - وہ سمجھتے ہیں کہ اِن اُصول کو بیان کر کے اُن کے تحت میں جو لکھ دیا وہ جائز ہے - اگر صحیح ذوق نہیں ہے تو اصول کچھ کام نہیں آتے - یہ حقیقت ہمیں اس مضمون میں جگہ جگہ نظر آئی —

مولانا آزاد کی نثر کے نمونے دربار اکبری سے نقل کر کے لکھے گئے ہیں - حالانکہ معلوم ہے کہ اس میں بہت کچھ تصرف کیا گیا ہے اور مولانا حالی کی تصانیف میں تو بقول مضمون نگار "بلند اور پر زور عبارت ملنی مشکل ہے" - جب آدمی کو بات کہنے کا سلیقہ نہیں ہوتا تو وہ چیخ پکار اور شور غل سے کام لیتا ہے - یہی بعض انشاپرداز کرتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بہت بلند اور پر زور عبارت لکھتے ہیں - مولانا حالی جس طرح الفاظ کا صحیح اور برجا استعمال کرتے ہیں اور واقعات اور کیفیات بیان کرنے میں جیسا انہیں ڈھب آتا ہے اور جس طرح انہوں نے بیسیوں تہیت اُردو کے لفظوں کو رواج دیا ہے اور ہر موقع استعمال کیا ہے اس کی نظیر ہماری انشا پردازی میں نہیں ملتی - ہمارے ایک فاضل بزرگ جو عربی فارسی اُردو انگریزی اور فرنچ میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے ہیں اور اُن کا ادبی ذوق مسلم ہے، وہ فرماتے تھے کہ ہماری زبانوں میں نثر تو بہی ہی نہیں مولانا حالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے متین اور پاکیزہ نثر لکھی - مگر الفاظ کے مضمون نگار کی نظروں میں اُن کی نثر "بلا کی پھیکی اور بے مزہ" ہے —

قابل مضمون نگار نے جو بعض نمونے مولانا شبلی مرحوم کی تصانیف سے انتخاب کر کے لکھے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن میں " بلند اور پر زور " عبارت کا کیا مفہوم ہے مثلاً

" ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعا ہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا، جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا - اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے "—

اس عبارت کو پڑھ کر اُردو کے ادنیٰ ناتک نظر کے سامنے پھر جاتے ہیں—

" اگر اس پہاڑ میں سخت سردی نہ ہوتی تو یہ غار بڑے بڑے اژدر اور موذی جانوروں کے دارالسلطنۃ ہوتے" دارالسلطنۃ کا لفظ یہاں کس قدر موزوں ہے !—

شاید یہی چیزیں قابل مضمون نگار کی زبان میں " اختراعات فائقہ " ہیں—

مضمون نگار صاحب ہلا ہوا، نواڑے، پتنغ پتنغ کر، کو متروک سمجھتے ہیں اور کھلنڈنا، جھپٹنا، بگٹٹ، تھپُور، کو پڑھنے اور سننے والوں کے لئے گرانی اور نا گواری کا جب خیال فرماتے ہیں - اُن کے خیال میں چھڑ خانی، پھٹکنا، لتاڑ، چھدا رکھنا، تتو تھمبو، تلملاہٹ، اولو، پتکھا پن اور اسی قسم کے دوسرے لفظ عامیانہ اور سوقیانہ اور ادبی مذاق کے لئے سخت نا گوار ہیں - انہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر لفظ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے اور اس کی خوبی اور برائی کا انحصار استعمال کرنے والے کے ذوق پر ہے - لفظ بذاتہ نہ بھلا ہے نہ برا - ایک اچھے سے اچھے لفظ کا بے موقع استعمال اسے نا گوار اور برا بنا دیتا ہے اور ایک معمولی اور عامیانہ لفظ کا صحیح اور بر محل استعمال عبارت میں خاص شان پیدا کر دیتا ہے - متروکات کے متعلق مناسب ہوگا کہ وہ جناب پنڈت برجموہن دتا تریہ صاحب کیفی کا مضمون مطالعہ فرمائیں جو اسی رسالہ میں درج ہے—

قابل مضمون نگار نے بار بار اپنے مضمون میں " عام بول چال " عامیانہ اور سوقیانہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور عام لوگوں کی بول چال کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زبان کتابوں سے سیکھی ہے - جو لوگ کتابوں سے زبان سیکھتے ہیں وہ زندہ زبان کی حقیقت سے نا واقف ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل زبان یہی ہے اور یہی رہے گی - مولانا شبلی مرحوم کا بھی یہی حال تھا - وہ دوسروں کے مقلد ہیں اور سب سے بڑے مقلد مولانا حالی کے - خاص کر سوانح

نویسی اور ادبی تنقید انہوں نے حالی ہی سے سیکھی ہے اور زبان میں آزاد، حالی اور نذیر احمد سے خوشہ چینی کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی نثر میں کوئی خصوصیت پیدا نہ کر سکے —

یہاں اس کے متعلق بحث کی زیادہ گنجائش نہیں ، لیکن مختصر طور پر اس قدر عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ عام یا عامیانہ بول چال کو حقارت سے دیکھنا ایک عالمانہ خود پسندی اور بے تہی کی علامت ہے۔یہی عام بول چال زبان کا سرچشمۂ قوت ہے جس سے وہ ہر وقت غذا اور تقویت حاصل کرتی رہتی ہے۔زبان کو عام انسانی معاشرت اور حالات سے دوش بدوش رہنا ضرور ہے۔ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ عوام کی بول چال سے فیض حاصل کرتی رہے ، ورنہ وہ مردہ ہوجائے گی۔ ہندوستان کی اکثر زبانوں کا یہی حشر ہوا۔جب تحریروں نے اپنے قواعد و ضوابط کے جکڑ بند سے انہیں مقید کرنا شروع کیا اور وہ کتابوں میں محدود ہوگئیں تو اسی وقت سے ان میں انحطاط پیدا ہونے لگا اور کچھ دنوں میں مردہ ہوکے رہ گئیں۔عام بول چال زندہ زبان کے لئے بمنزلہ دل کے ہے جس سے ہر وقت اُسے خون پہنچتا رہتا ہے اور جس وقت یہ رسد بند ہوجاتی ہے تو زبان سوکھنی شروع ہوجاتی ہے اور کتابوں کے اوراق میں بند ہوکے رہ جاتی ہے۔تمام دنیا کی زبانیں جو مردہ کہلاتی ہیں اسی طرح مردہ ہوئیں۔کیا ہم اُردو کو ابھی سے محدود ، مفلوج اور مردہ کرنا چاہتے ہیں ؟

میں آخر میں مولانا نذیر احمد کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں جو مضمون نگار صاحب نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔اُس کے آخر میں اُن کی رائے لکھوں گا۔اس سے اُن کی ادبی ذوق اور تنقید کی حقیقت معلوم ہوجائے گی —

" ادھر تو نصوح اور سلیم دونو باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی ، اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہوگئی۔نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی۔پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی ، نانی کی چہیتی ، ماں کی لاڈو ، مزاج کچھ تو قدرتی تیز ، باپ کے لاڈ پیار سے وہی کہاوت ہے ، کریلا اور نیم چڑھا اور بھی چڑچڑا ہوگیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔کھونگھٹ کے ساتھ منہ کھلا اور منہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہوگیا۔اب چھ چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسی جلی پر بل نہ گیا۔باوجودیکہ اجڑی ہوئی میکے پڑی تھی ، مزاج میں وہی طنطنہ تھا ، کوار پنے ہی میں سوا گز کی زبان تھی۔کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا ، سو بیاہے سے ان کو بھی

دھتکار بتائی۔ بیٹا چلے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی ' مردوں کا لحاظ اٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا لیکن نعیمہ کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہ کرے گی ''—

اس پاک صاف ستھری عبارت کے متعلق مضمون نگار صاحب کی یہ رائے ہے کہ " اس زبان کے بولنے سمجھنے کا پورا پورا لطف تو گزشتہ صدی میں دلی کے بعض محلے اور کوچے ہی کے لوگ اٹھا سکتے تھے " اس سے بڑھ کر نا انصافی اور بد مذاقی ہو نہیں سکتی۔ ہم نے یہ عبارت کئی بار پڑھی مگر ایک لفظ بھی ایسا نہ ملا جو اس وقت نہ بولا جاتا ہو یا ٹکسال باہر ہو۔ اس سے بہتر زبان اس موقع کے لئے ہو نہیں ہو سکتی۔ ہر جملہ موتیوں کی لڑی معلوم ہوتا ہے۔ اگر لائق مضمون نگار اُن الفاظ اور جملوں کی جگہہ جنہیں وہ قابل اعتراض سمجھتے ہیں دوسرے الفاظ اور جملے رکھہ کر دیکھتے تو انہیں اپنی تنقید کی ساری حقیقت معلوم ہوجاتی۔ مولانا نذیر احمد اور مولانا حالی کا بڑا احسان اردو زبان پر یہ ہے کہ انہوں نے ٹھیٹ اردو کے ایسے الفاظ اور محاورات جو صرف بول چال میں زبانوں پر تھے، ادبی زبان میں داخل کردئے۔ ان سے زبان کی رونق دو بالا ہوگئی اور مطالب کے ادا کرنے میں خاص لطف پیدا ہوگیا۔ یہ بڑی جرأت کا کام تھا اور اُن کی یہ جرأت، بہت ہی قابل تحسین ہے، ورنہ خود پسند اور بے تہ انشا پردازوں کے ڈر سے جو بد قسمتی سے اپنے آپ کو ادیب بھی سمجھتے ہیں ہر شخص یہ جرأت نہیں کرسکتا۔ آج ان دونوں بزرگوں کی بدولت سیکڑوں نئے پر معنی اور پر مغز لفظ اور محاورے ہمارے ادب میں آگئے ہیں جو اب ہر انشا پرداز استعمال کرتا ہے اور تو اور مولانا شبلی کی تصانیف ان الفاظ اور محاوروں سے بھری پڑی ہے جو اُنہیں ان دو حضرات کی بدولت حاصل ہوئے ہیں—

بہر حال یہ مضمون ایک طالب علمانہ مشق کی حیثیت سے بہت اچھا ہے اور اڈیٹر صاحب الناظر کا جو اصل مقصد تھا، یعنی رسالہ کا اشتہار، وہ بھی اس سے حاصل ہوگیا ہے—

———:o:———

رسالہ تاج (حیدرآباد دکن) میں اسی پر ایک مضمون مولوی سید جلال صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اگرچہ اس کی اُٹھان اچھی ہے لیکن مضمون

نشانہ ہے۔ افسوس اڈیٹر صاحب تاج نے بوجہ عدم گنجائش زیادہ لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ رسالۂ تاج ترقی کر رہا ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ رسالہ میں ایک بہت بڑا مضمون قدیم اُردو پر چھپا ہے۔ اس کے مولف ہمارے دوست حکیم شمس اللہ صاحب قادری ہیں۔ انہوں نے اس کی تالیف میں بڑی تحقیق اور محنت سے کام کیا ہے اور یہ بہت قابل قدر مضمون ہے۔ اب کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی چھپ گیا ہے۔ انجمن ترقی اُردو سے مل سکتا ہے —

تصحیح

جولائی کے رسالۂ اُردو میں اختر شہرانی صاحب کی ایک نظم "نوائے گل" کے عنوان سے چھپی تھی اُس کے اس مصرعے میں "بہار ہے "اگر" خدائے گل تو ہوئے گل کو جانئے دعائے گل"۔ یہ "اگر" مصرعے میں داخل نہ سمجھا جائے —

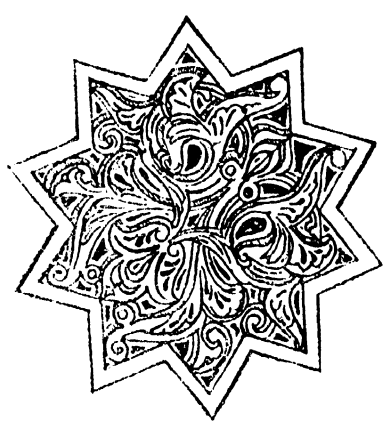

اس رسالہ کی طباعت میں حسب ذیل غلطیاں رہ گئی ہیں براہ کرم درست کر لی جائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۳۶	۱	عہد	عہدہ
۵۳۶	۹	مقربین	مقرھیں
۵۵۹	۲۰	اُس خوب	اُس کو خوب
۵۶۴	۱	وڑے	کوڑے
۵۶۴	۲۲	گوی	گویا
۵۹۲	۲۲	و اور ہم	وہ اور ہم
۶۰۲	۱۱	پہلوتی	پہلو تہی
۶۰۳	۱۲	رکھا	رکھتا
۶۰۴	۷	آفرین	آفرینی
۶۰۵	۲۲	حبادو	جادو
۶۰۶	۱۱	کو سمر	کو ثمر
۶۰۶	۲۱	سارہ	ساز رہ
۶۰۷	۲	ارارم	آرام
۶۰۸	۵	کے فلسفیانہ	کے انہیں فلسفیانہ
۶۱۵	۱۴	جمیعت	جمعیت
۶۱۶	۱۲	گرہ نی	گرنی
۶۱۷	۸	چپانے	چھپانے
۶۱۸	۳	نما	نماے
۶۱۹	۷	کرتے	کرتے کرتے
۶۲۳	۳	مزاجی	مجازی
۶۲۴	۲۰	کہ لو گو	کہ گو
۶۲۵	۱۶	ولاردری	ولاادری
۶۲۸	۳	پائدار	نا پائدار
۶۲۸	۱۰	جہالت	جہاد
۶۲۹	۱۲	متلی الفر	مستلی الظفر
۶۳۶	۱۲	باودرچیوں	باورچیوں
۶۳۷	۳	مردہ رہ را	مردہ را رہ
۶۴۲	۲۰	اُن پر	اُن پہ
۶۵۴	۳	متروکی	متروکات کی
۶۵۸	۲	کو کبھی	کے کبھی
۶۶۰	۲۲	اتاع	اتباع
۶۶۲	۲	واجو	واجد
۶۶۳	۲	خوشی کی کسی	خوشی کسی
۶۶۴	۱۰	گریہاں	غریباں
۶۶۵	۲۳	ان کو چوتھی	ان کے چوتھے
۶۷۴	۵	لئے	لے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۷۹	۱۶	فہم نے	فہم
۶۸۶	۱۹	عاج	عاجز
۷۰۱	۱۵	روش	روشنی
۷۰۲	۱۰	کھلا	کھیلا
۷۰۷	۱۴	شق	شوق
۷۰۸	۱۳	بھی تھین	بھی ہیں
۷۰۸	۱۸	ہیں نا یہ	ہیں یہ
۷۰۸	۲۱	معمور	مصور
۷۱۲	۳	تح	یخ
۷۱۲	۱۱	جتلے	جیتے
۷۲۰	۱۵	ایسے	اسے
۷۲۲	۱۹	تریقہ	طریقہ
۷۲۳	۱۲	متشرقین	مستشرقین
۷۲۶	۲۰	میں مذکور	مذکور
۷۲۷	۱۹	سرد	سرو
۷۲۷	۲۸	دوادین	دواوین
۷۲۷	۲۹	دوادین	دواوین
۷۲۸	۱۷	دیوانی	دیوان
۷۲۹	۸	طربی	طبری
۷۲۹	۱۴	سے تاریخ طربی	نے تاریخ طبری
۷۳۰	۳۰	شی کا پوراہ	شاہ کا پورا
۷۳۱	۱۶	اراہ	ارادہ
۷۳۲	۵	لوز	نود
۷۳۲	۲۰	سجائد	محامد
۷۳۸	۶	مضامین	فضا میں
۷۳۸	۲۲	مسلم	مسخ
۷۳۸	۲۵	سمائیں	کہ ایں
۷۳۹	۱۶	دیدیہ	دے کر یہ

فہرست مضامین رسالۂ اُردو جلد پنجم بابتہ سنہ ۱۹۲۵ع

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
آئندہ کا خواب	مولانا وحیدالدین سلیم صاحب	۶۳۹
ادبیات ایران در زبان مشروطہ	آقا رشید یاسمی مترجمہ مولوی سید وہاج الدین صاحب	۲۳۵
ادبی بات چیت (۱) فرانس	جناب شاہد سہروردی صاحب	۶۹۷
ایک خلش سی ایک چبھن سی جس میں مزا بھی آتا ہے (نظم)	مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے مددگار ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن	۱۲۱
پیپل (نظم)	ایضاً ایضاً	۵۹۵

تبصرے:—

ابتدائی تعلیم کی رام کہانی ۵۲۰ ابوالحسنین ۷۴۲ اُردو آموز Urdu Simplified ۱۷۸ اُردو زبان پر انگریزی ادب کا اثر ۵۱۲ اُردوے معلیٰ ۳۵۷ اسلامی خلافت کارنامہ حصۂ اول ۷۳۹ اسلامی رسول کے معجزے ۵۴۳ البیان المغرب فی اخبارالمغرب ۱۷۱ المومن ۵۲۷ الناظر کا انعامی مضمون ۷۵۲ النور ۵۲۸ امانت ۳۴۹ انسداد گداگری اور اصلاح خیرات ۵۲۴ انوری بیگم ۱۵۷ اورنٹیل کالج میگزین ۵۲۶ باغبان ۱۴۸ بشریٰ ۳۵۰ بہارستان ۷۴۸ بہرام کی رہائی ۳۲۶ پیپھا اور پی کہاں ۵۱۲ پنجاب کی بعض اچھوت قومیں ۵۲۶ پیام امیں ۵۲۲ تاج ۱۸۱ تاریخ الامۃ جلد پنجم ۱۵۸

تاریخ اسلام جلد اول ۵۱۷ تاریخ القرآن ۷۴۵ تاریخ بنی هاشم ۳۴۱
تبصرۃ الفہرست ۲۹۴ تبلیغ نامۂ وحدت و محبت ۵۲۵ تذکرۂ شعرائے
اُردو موسوم بہ گل رعنا ۵۰۷ تربیت حصہ اول و دوم ۳۴۸ ترجمہ
تزک بابری اُردو معروفہ بابر نامہ ۳۳۰ تشریح دل ۷۴۷ تیغ
کمال ۱۴۹ ثانی اثنین ۷۴۲ جام جہاں نما ۳۵۸ حسن خیال ۷۵۲
حضرت خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ ۵۲۴ حکایات پنجاب ۱۴۷
خانۂ حیرت ۵۱۱ خدائی انکم ٹیکس ۵۲۴ خمخانۂ کیفی ۱۵۱
خیابان عرفان ۳۵۱ دختر سمرنا ۱۴۸ درس حیات ۳۴۷ دکن
میں اُردو ۵۰۸ دوآتشہ ۵۱۰ ذکری ۳۴۹ ذوالنورین ۷۴۲ روئداد
جلسہ سالانہ منبع الطب لکھنؤ ۳۵۳ ساربان ۳۴۹ سالانہ رپوٹ
دارالمعلومات مودی کامپنی ۳۵۳ سراج المنیر حصہ چہارم ۷۴۷
سرتاج ۵۲۸ سرگزشت وزیر خان لنکران ۷۳۵ سفرنامہ مظہری ۷۴۸
سفیر النجار ۱۸۱ سلاطین بہمنی ۵۱۶ سودمند ۵۲۸ سیر الصحابہ ۷۴۳
سیر المصنفین جلد اول ۱۳۹ سیرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۳۴۶
سیرت عمر و ابن العاص ۳۴۲ شادمان ۳۵۶ شراب عیش ۳۲۵
شمع ۳۵۴ شمع شبستان ۵۰۹ شہاب کی سرگزشت ۷۳۶ ظہیر
فاریابی ۵۱۶ عندلیب ۳۵۵ فتنہ خلق قرآن ترجمہ کتاب الحمیدہ ۵۲۳
فطرت نسوانی ۳۲۶ فہرست مخطوطات فارسی مخزونہ کتب خانہ
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۷۲۳ قاموس المشاہیر ۷۱۷ قوس قزح ۷۵۱
کشاف ۱۸۱ کشاف الہدیٰ ۱۷۵ کشمیر کی رانیاں ۳۴۶ ککے زئی ۳۵۸
کلام شاد حصہ اول ۱۳۰ گوتم بدھ ۷۳۵ گوہرین نامہ ۳۲۲ لیلیٰ
(یا محاصرہ غرناطہ) ۱۵۷ مثنوی اسرار ہستی ۳۲۴ محمد کی
سرکار ۵۱۵ مرزا غالب کی شاعری ۵۱۴ مسکوکات قدیمہ ۵۱۶ مصرف
جنگلات و تربیت جنگلات ۳۵۲ منتخبات نظم اُردو ۵۱۴ مینا بازار ۷۴۷
ناٹک ساگر ۱۲۷ نقش فرنگ ۱۴۱ نور اللغات ۱۴۳ نورس ۷۴۹
نور ہدایت ۳۴۹ نوید ۱۸۰ نہرنگ ارض ۵۲۱ Wit, Humour
and Fancy of Persia ۱۷۹ وحید العصر ۵۲۸ وہ جاندار جو نظر
نہیں آتے ۵۲۰ ہمارا گھر ۱۵۲ ہند عہد اورنگ زیب میں ۱۶۲
ہندو تہواروں کی اصلیت اور اُن کی جغرافیائی کیفیت ۵۲۰
یسرنا القرآن ۱۷۷

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
تلسی داس کی شاعری	مولانا وحیدالدین سلیم صاحب	۳۷۷
تیتری (نظم)	حضرت ابوالمعانی اختر شیرانی الافغانی	۶۹۵
جوگن (نظم)	ایضاً ایضاً ایضاً	۸۳
جیت کی کنجی (نظم)	مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب	۲۳۳
حضرت خواجہ میر درد	ایضاً ایضاً ایضاً	۴۲۹
خطبات گارساں دتاسی	مترجمہ جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن	۲۴۹
رہندرا ناتھ ٹیگور کی شہرۂ آفاق تصنیف گیتان جلی	ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم	۱۸۳
سب رس منظوم	اڈیٹر	۴۹۹
سرسید مرحوم کا خط مولانا حالی مرحوم کے نام		۳۷۵
شاعری اور پریاں	مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر	۷۱
طوطا کہانی اور سب رس	س-م-ن	۲۹۷
عرب کی شاعری	مولانا وحیدالدین سلیم صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن	۵۴۷
عروض جدید	مولوی عبدالرحمن خاں صاحب اسسٹنٹ امپیریل اکانومک بوٹے نسٹ پوسا	۹۷
غالب کا فلسفہ	مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن	۵۹۹
فرانسیسی مجلس علمی کی تاریخ	مترجمہ مولوی سید وہاج الدین صاحب پروفیسر اورنگ آباد کالج	۱۳۷

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
فردوسی کا مذہب	محمود خاں صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور	۱
متروکات	پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی	۶۴۵
مجالس العشاق	حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب	۲۷۷
مرثیہ شہادت حضرت عباس	فصیح	۳۶۱
نظم ہاشمی	مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ حیدرآباد	۲۶۵
نواب عماد الملک مولوی سید حسین خاں صاحب بہادر بلگرامی	مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی	۵۳۱
نوائے گل (نظم)	جناب ابوالمعانی اختر شیرانی الافغانی صاحب	۴۲۷
وزن رباعی پر ایک نوٹ	مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے	۸۹

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالہ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی۔اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیں گے

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی —

آنریری سکرٹری

انجمن ترقی اُردو۔اورنگ آباد (دکن)

اطلاع

رسالہ اُردو نمبر ۶ سے نمبر ۱۵ تک اور نمبر ۱۷ سے نمبر ۲۰ تک موجود ہیں اور بہ حساب فی رسالہ دو روپیہ سکۂ انگریزی علاوہ محصول ڈاک مل سکتے ہیں —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

نیرنگ ارض ۱ روپیہ ۴ آنہ
سیرالمصنفین ۲ روپیہ
Hindustani Simplified (اردو آموز)
دنیش چندر دت صاحب ایم اے ۳ روپیہ
شرح Hindustani Simplified ۱ روپیہ
رسالہ نماز Prayer Book ۱ روپیہ
معراج العاشقین ۶ آنہ
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی ۱ روپیہ ۴ آنہ
ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی
جغرافیائی کیفیت ۶ آنہ
وہ جاندار جو نظر نہیں آتے ۴ آنہ
جہان آرا بیگم ۸ آنہ
(تصانیف نورالٰہی و محمد عمر صاحبان)
موجودہ لندن کے اسرار ۱ روپیہ
ناٹک ساگر یعنی دنیائے ڈراما کی تاریخ
مجلد ۳ روپیہ
تین ٹوپیاں ۸ آنہ
ظفر کی موت ۴ آنہ
قزاق ۸ آنہ
بگڑے دل ۸ آنہ
(دارالاشاعت پنجاب لاہور کی کتابیں)
صبح زندگی ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ ۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ ۱ روپیہ
سنجوگ ۱۰ آنہ
جوہر قدامت ۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس ۲ روپیہ ۸ آنہ

مشاہیر ہند ۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری ۱ روپیہ
اخترالنسا بیگم ۱ روپیہ ۸ آنہ
دکھ بھری کہانی ۲ آنہ ۶ پائی
روشنک بیگم ۲ روپیہ
رانی کرونارت ۱ آنہ
رسوم دہلی ۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر ۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ ۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل ۳ روپیہ
پریم بتیسی حصۂ اول ۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد ۴ روپیہ
نعمت خانہ ۱ روپیہ ۴ آنہ
خواب راحت ۴ آنہ
چندن ہار ۲ آنہ
انمول موتی ۱ آنہ ۶ پائی
سوکن کا جلاپا ۶ آنہ
گوہر مقصود ۶ آنہ
لیلیٰ ۲ روپیہ
سواءالسبیل ۱ روپیہ
سخندان پارس ۱۰ آنہ
قوانین دولت ۴ آنہ
مینا ۱۲ آنہ
چترا ۱۲ آنہ

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاصکر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے۔ اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے۔ خاصکر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو ونما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا۔ یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔

(حجم ۳۰۰ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار۔

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے۔ میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ کلدار۔ غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ کلدار۔

تاریخ تمدن

سرٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے- حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۳ روپیہ کلدار—

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس دار حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے- اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار- مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار—

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوزالاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے- یہ کتاب فلسفۃ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار مجلد ایک روپیہ کلدار—

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کر دیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار- مجلد ۱ روپیہ کلدار—

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے- قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار- کلید قاعدہ غیر مجلد ۴ آنہ کلدار—

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ- والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے- تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے- اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے- قیمت مجلد ۳ روپیہ کلدار- غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے- اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں- قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار مجلد ۲ روپیہ کلدار—

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے- تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بلد کئے ھیں۔کتاب کے اخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ھے۔قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار۔

مشاھیر یونان و رومہ

ترجمہ ھے۔سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ھزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ھے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ھے۔وطن پرستی اور بے نفسی عزم وجواں مردی کی مثالوں سے اس کا ھر ایک صفحہ معمور ھے۔قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار۔

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ھے اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ھر ایک ضروری مسئلہ درج ھے۔قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار۔

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ھے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ھے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ھے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ھیں۔اشتراکیت کا باب قابل دید ھے۔ حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار۔

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔تحقیق و صداقت کا مرادف ھے۔ یہ کتاب کئی ھزار برس کے تمدن۔ معاشرت – اصول – اخلاق – مذاھب و خیالات کا مرقع ھے۔حصۂ اول مجلد ۳روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار۔

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ھے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔اس کا نقطۂ خیال خالصاً ھندوستانی ھے۔ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ھیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار۔

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ھے۔مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ھے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ھے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار۔

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔علمی اصطلاحات سے معرا۔طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار—

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا۔پانی۔غذا۔لباس۔مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپزیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے۔اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا۔حجم ایک ہزار صفحے۔قیمت مجلد چار روپیہ کلدار—

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے۔ بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں۔نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔قیمت مجلد دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں"۔ اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے۔سابقوں اور لاحقوں۔اردو مصادر اور ان کے

مشکلات۔فرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں۔ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں۔لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کردئے ہیں۔اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا۔اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے۔تعداد صفحات ۳۰۵ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار—

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے۔خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے۔علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے۔یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالارا مفسون ہے۔اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے۔یہ مفسون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا۔صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے۔ قیمت فہر مجلد ۸ آنہ کلدار—

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس میں بعض قدیم اقوام۔سلطنت کلدانی۔آشوری۔بابل۔بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت۔عقائد۔صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دئے ہیں۔اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں۔صفحہ ۲۷۴۔قیمت مجلد دو روپیہ ۶ آنہ کلدار—

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے۔ برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے۔ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے۔کہاں سے آتی ہے۔کیا کام آسکتی ہے۔یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے۔لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے۔ قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

——:o:——

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڈھ)

۱- سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
۲- سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
۳- سیرۃ النبی حصۂ سوم ۶ روپیہ
۴- شعرالعجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
۵- سفرنامہ مولانا شبلی ۲ روپیہ
۶- علم الکلام ۲ روپیہ
۷- الکلام ۲ روپیہ
۸- کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۹- اسوۂ صحابہ مکمل دو حصہ ۸ روپیہ
۱۰- انقلاب الامم ۲ روپیہ
۱۱- برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۲- مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۳- مثنوی بحرالمحبت ۱۲ آنہ
۱۴- تفسیر ابومسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
۱۵- سیرالصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
۱۶- روح الاجتماع ۲ روپیہ
۱۷- ابن رشد ۴ روپیہ
۱۸- کل رعنا ۵ روپیہ
۱۹- سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

(مطبع کاویانی- برلن)

۱- موش و گربہ (فارسی) ۵ آنہ ۶ پائی
۲- زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
۳- گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۴- تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۵- تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۶- نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
۷- رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
۸- تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
۹- ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ- علی گڈھ)

۱- الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
۲- الصراط المستقیم ۲ روپیہ
۳- بصائر ۶ آنہ
۴- سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- خلافت راشدہ ۲ روپیہ
۶- خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
۷- خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
۸- خلافت عباسیہ بغداد ۲ روپیہ
۹- مبادی معاشیات ۱ روپیہ
۱۰- انتخاب میر (از نورالرحسن صاحب) ۱ روپیہ
۱۱- قواعد عربی ۲ روپیہ
۱۲- عرض جوہر ۸ آنہ
۱۳- مجموعہ کلام جوہر ۶ آنہ
۱۴- اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
۱۵- ازہارالعرب ۸ آنہ

۱۶- انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
۱۷- ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
۱۸- خطبہ شیخ الہند ۲ آنہ
۱۹- خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
۲۰- ہمارے نبی ۸ آنہ
۲۱- تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
۲۲- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس- بدایون)

۱- قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
۲- نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
۳- دیوان غالب مشرح مجلد دو روپیہ ۸ آنہ
۴- دیوان جان صاحب مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
۶- دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ نہ
۷- خطوط سرسید قسم اول ۳ روپیہ
۸- خطوط سرسید قسم دوم ۲ روپیہ
۹- لیتھوگرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
۱۰- انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
۱۱- مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
۱۲- مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
۱۳- تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
۱۴- کنزالتاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ

(دائرۃ الادبیہ- لکھنؤ)

۱- یادگار غالب ۳ روپیہ
۲- مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
۳- مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
۴- میلاے سخن ۱ روپیہ
۵- حزن اختر ۸ آنہ
۶- درس عمل ۴ آنہ
۷- خواتین انگورہ ۱ روپیہ
۸- بیگمات بنگال ۶ آنہ
۹- اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
۱۰- مشرقی ترکستان ۶ آنہ
۱۱- سیاحت زمین ۱ روپیہ
۱۲- سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس- لکھنؤ

۱- تاریخ عرب ۷ روپیہ ۸ آنہ
۲- موازنہ انیس و دبیر ۳ روپیہ
۳- مقدمہ شعر و شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
۴- اصول النسخ ۶ آنہ
۵- مسلمانان اندلس ۱ روپیہ ۸ آنہ
۶- اسرار رنگون ۱ روپیہ
۷- ہوم رول ۵ آنہ
۸- خوان دعوت ۱ روپیہ
۹- مصنوعی شوہر ۲ آنہ
۱۰- وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۱- مسلمانوں کی تہذیب ۶ آنہ
۱۲- الاحسان ۸ آنہ
۱۳- ارض نہریں ۴ آنہ
۱۴- تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
۱۵- حیات نظامی ۴ آنہ
۱۶- خطاب ۴ آنہ

۱۷- سہلادیوی ۴ آنہ
۱۸- تصویر درد ۴ آنہ
۱۹- شمع و شاعر ۲ آنہ
۲۰- فریاد اُمت ۲ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

۱- رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲- کتب خانہ اسکندریہ ۵ آنہ
۳- مسدس حالی ۱۲ آنہ
۴- جنگل کی پہلی کہانی ۵ آنہ
۵- بادل کے بچے ۱ روپیہ
۶- بانگ درا ۲ روپیہ
۷- یادگار غالب ۱ روپیہ ۸ آنہ
۸- مجموعہ نظم حالی ۸ آنہ
۹- اکبری اقبال ۳ آنہ
۱۰- الفاروق ۳ روپیہ
۱۱- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۸ آنہ
۱۲- نظم شبلی ۴ آنہ
۱۳- نفس اللغة ۱ روپیہ
۱۴- ترانۂ شوق ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۵- خوبی سخن ۸ آنہ
۱۶- دیگر ممالک میں قطع تعلق ۱۰ آنہ
۱۷- آزادی اسلام ۴ آنہ
۱۸- مصطفیٰ کمال پاشا ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۹- گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنہ
۲۰- سلف گورنمنٹ ۶ آنہ
۲۱- عالم خیال ۸ آنہ
۲۲- حیات خسرو ۸ آنہ
۲۳- نظام حیات انسانی ۸ آنہ
۲۴- فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲۵- فرہنگ عربی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
۲۶- اسلامی حکومت ۲ آنہ

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بےحد انتظار تھا۔ اس میں میرزا غالب کا قدیم وجدید تمام کلام موجود ہے۔ میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیہ کلدار۔ غیر مجلد ۴ روپیہ کلدار (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار)—

مکاتیب

نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک مرحومین کے غیر مطبوعہ خطوط کا قابل قدر۔ دلچسپ۔ پر از معلومات اور بہترین مجموعہ۔ مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال ۱ روپیہ—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد (دکن)

891605100

اردو حصہ ۲۰

تشریف حفاظتی

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ